۱۹۲۷

جلد ۱

نمبر ۱۳

الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ آنہ

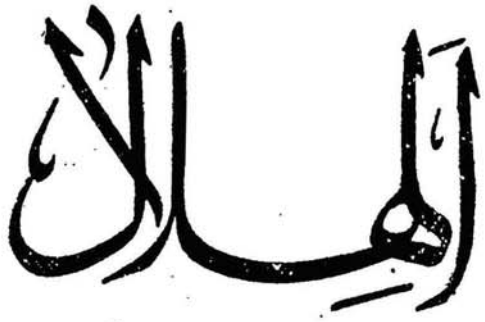

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ ۔ بالي گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول - -	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے - -	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہي - - -	سات روپیہ
قیمت في پرچہ - - -	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر " منیجر الہلال " کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر " ایڈیٹر " کا نام ہونا چاہیے ۔

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسري جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ، مقامي ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين (القرآن الحكيم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۳ | کلکتہ : جمعہ ۱۲ ۔ ربیع الاول ۱۳٤٦ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 9, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعة نہین رکھتی ۔
طباعة کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعة کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعة کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔ الھلال

قاریین الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۱۰۱۲ مراسلات وصول ھوی ھین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۱۳۹	اردو حروف کی حق مین	۲۸۰
موجودہ مشترك طباعة کی حق مین	۲۹۳	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۱٤	نستعلیق ھون	۸٦

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا یہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الھلال

مذاکرہ علمیہ

قانون توارث جسمانی و معنوی

(منڈل کا ناموس وراثت)

مخلوقات کي جسماني و معنوي زندگي ميں قانون توارث کا مسئلہ ' اُن اهم ترين مسائل ميں سے هے جنهوں نے قديم زمانے سے علماء کو اپني طرف متوجه رکها هے - طبيعي علوم کي ترقي کے بعد گزشته صدي ميں اِس مسئلہ نے اور بهي زيادہ اهميت حاصل کرلي اور بے شمار علماء نے اُس پر بحث کي - بهت سے نظريے قائم هوے - بهت سے مذاهب ترتيب دیے گئے - ليکن اِس سلسله ميں سب سے زيادہ شهرت و اهميت اُس نظريہ کو حاصل هے ' جو اپنے موجد ' ڈاکٹر منڈل کي طرف منسوب هے اور " ناموس منڈل " کهلاتا هے - ذيل ميں هم اِس نظريہ کي مختصر تشريح کرتے هيں -

(منڈل)

سنه ۱۸۲۲ ميں دو شخص ايسے پيدا هوئے ' جنهوں نے اپني پوري زندگي وراثت کے اثرات و نتائج کي بحث و تحقيق ميں صرف کردي : اِن ميں سے ايک انگلستان ميں پيدا هوا - اسکا نام گلٹن هے - اور اسکي کتاب " عظمت کي وراثت " بہت مشهور هو چکي هے - دوسرا منڈل هے - يه هنگرين نسل کا تها - سيليشيا ميں پيدا هوا - اسکي ابتدائي تربيت ديني تعليمات کي تهي - رهبانوں کي جماعت ميں داخل کر ديا گيا تها - ليکن ۲۹ سال کي عمر ميں رهبانيت ترک کردي اور وائنا کے دار العلوم ميں داخل هوکر طبيعي علوم کي تحصيل شروع کردي - تعليم ختم کرکے وہ برون ميں اُستاد مقرر هوگيا اور اپنے فرصت کے اوقات مسئلۂ وراثت ' کي تحقيق ميں صرف کرنے لگا - شروع شروع اُسکے تجربے صرف نباتات ميں محصور تهے -

اپني تحقيق کے دوران ميں بالاخر وہ ايک عجيب معامله پر پهنچا - اُسنے ديکها ' يه عجيب معامله ' وراثت ميں هميشه پيش آتا هے ' اور کبهي اُس ميں خلل نهيں پڑتا - يه وہ وقت تها جب اُس کے تجارب ' عالم حيوان تک وسيع هو چکے تهے - اُس نے شهد کي مکهيوں کے بهي پچاس چهتے بنائے تهے - اور مختلف قسم کي مکهياں باهم ديگر جمع کرکے اُنکي نسل کے جسماني اور معنوي خواص کا تجربہ کرتا تها ليکن مکهيوں کے متعلق اُسکي تحقيقات کے جمله اوراق ضائع هوگيے - سنه ۱۸۶۶ ميں اُس کا ايک چهوٹا سا رساله شايع هوا تها جس ميں يه نظريہ پيش کيا گيا هے - يه رساله بهي گم نام هوگيا - يهانتک که سنه ۱۹۰۰ ميں علماء مغرب کي نظريں اُس پر دوبارہ پڑيں ' اور وسيع پيمانه پر اُسکي اشاعت کي گئي - آج حيوانات کي پرورش کرنے والوں ميں کوئي شخص بهي ايسا موجود نهيں جو منڈل اور اُس کے نظريہ سے ناواقف هو يا اُس سے مستفيد نه هو رها هو -

(ناموس منڈل)

منڈل کا نظريہ ' تين وراثتي اصلوں پر قائم هے :

(۱) پهلي اصل کا خلاصه يه هے که فرد کي بعض صفات ' (عام اِس سے که وہ فرد ' حيوان هو يا نبات) اُسکي آينده نسلوں ميں مفقود نهيں هو جاتيں بلکه برابر باقي رهتي هيں ' اور عرصه تک بغير کسي کمي کے ظاهر هوتي رهتي هيں - اِسکي مثال يه هے که بعض انساني خاندانوں کے خال و خط خاص قسم کے هوتے هيں ' اور طويل زمانوں تک اُن کي نسلوں ميں بدستور قائم رهتے هيں - چنانچه بعض خاندانوں ميں زائد انگلياں ' يا کٹا هوا هونٹهه ' يا چندهي آنکهيں ' يا سفيد بالوں کا گچها ' غرضکه مختلف قسم کي جسماني خصوصيتيں هميشه موجود رهتي هيں اور اُن کے افراد ميں وقتاً فوقتاً پوري طرح ظاهر هوتي رهتي هيں -

ڈاکٹر منڈل

(۲) دوسري اصل کا خلاصه يه هے که بعض صفتيں ايسي هوتي هيں جنکا ظهور مسلسل نهيں هوتا - تهوڑے تهوڑے وقفه کے بعد ظاهر هوتي هيں ' مگر برابر ظاهر هوتي رهتي هيں - يعني پهلے ايک مدت تک نمايان رهتي هيں - پهر غائب هوجاتي هيں - پهر لوٹ آتي هيں - پهر غائب هوجاتي هيں - صرف تجربه هي سے معلوم هوسکتا هے که کون صفت پهلي قسم کي هے ؟ کون صفت دوسري قسم کي هے ؟ اِسکي مثال يه هے که جب بے سينگ کے حيوانات کا سينگ والے حيوان ميں اتحاد تناسلي هوتا هے ' تو اُنکي نسل بے سينگ کي پيدا هوتي هے - ليکن جب يهي نسل آگے بڑهتي هے تو اُسکي اولاد ميں ايک خاص تناسب سے بعض افراد سينگ والے پيدا هوتے هيں - بعض بے سينگ کے -

برخلاف اِسکے جب کيس والے مرغ کا اتحاد بے کيس مرغي سے هوتا هے تو نسل ' کيس والي پيدا هوتي هے - ليکن پهر آگے چل کر بعض کے کيس هو جاتا هے - بعض کے نهيں هوتا - مگر يه معامله هميشه ايک هي تناسب سے پيش آتا هے -

(۳) تيسري اصل ' اُس تناسب کا تعين اور انضباط هے جو اِس توارث و تناسل ميں کار فرما هے - تشريح اُسکي حسب ذيل هے :

ایک بالکل سفید مرغي اور ایک بالکل سیاہ مرغ لو ' اور اُن کي نسل کا تجربہ کرو - اب ایسا ہوگا کہ اِن دونوں کے اتحاد تناسلي سے جو بچے پیدا ہونگے ' وہ نہ تو بالکل سیاہ رنگ کے ہونگے ' نہ بالکل سفید رنگ کے - مخلوط قسم کے ہونگے - یہ اِس نسل کا پہلا طبقہ ہوا - اِس مخلوط رنگ کي مرغیوں کي نسل آگے بڑھنے دو - اِن سے جو دوسرا طبقہ نسل کا پیدا ہوگا ' اُس کي حالت یہ ہوگي کہ اُن میں ۲۵ - في صدي مرغیاں بالکل سیاہ ہونگي ' ۲۵ - في صدي بالکل سفید ' اور ۵۰ في صدي مخلوط رنگت کي - گویا دوسرے طبقہ میں اُن کے مورث اعلیٰ کي کامل رنگت ۲۵ - في صدي میں نمایاں ہوي ' مگر ۵۰ - في صدي میں مورث ثاني و اقرب کا سا مخلوط رنگ قائم رہا - اب اِس دوسرے طبقہ سے تیسرا طبقہ پیدا کرو - اِس تیسرے طبقہ کا حال یہ ہوگا کہ سفید سے سفید بچے پیدا ہونگے - سیاہ سے سیاہ پیدا ہونگے - مگر مخلوط رنگت کے بچوں میں پھر وہي تناسب نمایاں ہوجائیگا ' جو دوسرے طبقہ میں تھا - یعني اُسکي نسل میں ۲۵ - في صدي سیاہ اور ۲۵ - في صدي سفید ہونگے - باقي ۵۰ - في صدي اپنے ماں باپ جیسے مخلوط رنگ کے ہونگے !

پھر اِن ۵۰ - في صدي مخلوط رنگ والوں کي نسل جب اور آگے بڑھیگي ' تو اُس میں بھي یہ تناسب برابر قائم رہیگا - یعني ہمیشہ نصف تعداد مخلوط رنگت کي ہوگي اور ۲۵ - في صدي سفید ' اور ۲۵ - في صدي سیاہ ہوگي -

لیکن تیسرے طبقہ میں جن افراد کے اندر اُنکے مورث اعلیٰ کي کامل رنگت متوارث ہوگئي تھي ' اُن کي نسل میں مستقلاً ایک رنگت قائم ہو جائیگي - سفید سے ہمیشہ سفید بچے پیدا ہونگے ' اور سیاہ سے ہمیشہ سیاہ -

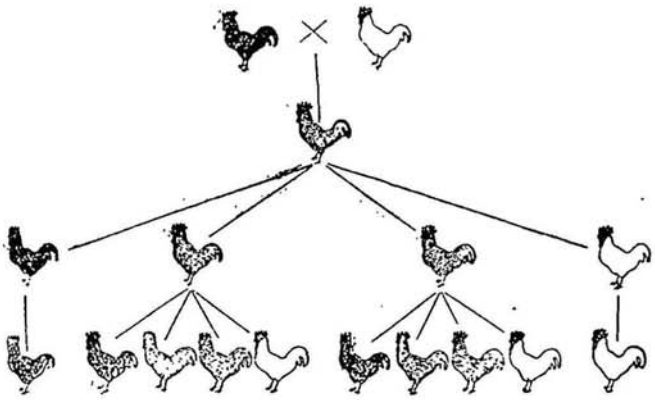

قانون توارث کا ایک عملي مشاهده

مرغیوں کي نسل کے تین طبقات ' جن میں مورث اعلیٰ کا سفید اور سیاہ رنگ ایک خاص عددي تناسب کے ساتھہ متوارث ہوتا ہے - مورث اعلیٰ سفید اور سیاہ رنگ کے ہیں - نسل کے پہلے طبقہ میں مخلوط رنگ کا مرغ پیدا ہوا ہے - لیکن اُس سے جو دوسرا طبقہ پیدا ہوا ہے ' اس میں ۲۵ - فیصدي سفید ' ۲۵ - في صدي سیاہ ' اور ۵۰ - في صدي مخلوط رنگت کے ہیں - پھر تیسرے طبقہ میں سفید سے سفید اور سیاہ سے سیاہ پیدا ہوتا ہے ' مگر مخلوط کي نسل میں وہي عددي تناسب قائم ہے -

اِس سے معلوم ہوا کہ :

(۱) قانون توارث میں مورث اعلیٰ کے دو مختلف جسماني خواص ' پہلے طبقہ میں ایک ایسا مزاج پیدا کرلیتے ہیں جو ملا جلا مزاج ہوتا ہے - یعني اُن میں دونوں طرح کے خاصّے اکھٹے ہوکر مخلوط ہوجاتے ہیں -

(۲) اِس پہلے نسلي طبقہ نے جو مخلوط مزاج کرلیا ہے ' وہ نسل کي آئیندہ افزائش میں ایک مستقل اور متوارث حیثیت اختیار کرلیتا ہے ' اور اپني نسل میں برابر قائم رہتا ہے ' لیکن ساتھہ ہي یہ عجیب بات بھي ہے کہ دوسرے طبقہ میں نصف تعداد ہمیشہ ایسے افراد کي پیدا ہوتي ہے ' جن میں اِس مخلوط و ممزوج حالت کي جگہ مورث اعلیٰ کے انفرادي خواص الگ الگ نمایاں ہوجاتے ہیں - اِس نصف تعداد میں آدھي تعداد ایک قسم کے خاصہ کي اور آدھي ایک قسم کے خاصہ کي ہوتي ہے - اِس طرح دو مختلف جسماني خواص کے ماں باپ دوسرے طبقہ کي نسل میں بالانفراد الگ الگ ' اپنے اپنے خواص نمایاں کردے سکتے ہیں !

(۳) نسل کے تیسرے طبقہ میں جن افراد کے اندر مورث اعلیٰ کے خواص انفرادي اور غیر مخلوط حالت میں نمایاں ہوجاتے ہیں ' ان کي نسل میں آیندہ اِن اجدادي خواص کا اختلاط و امتزاج نہیں ہوتا ' بلکہ اجدادي خواص کي جو ایک قسم اُن میں نمایاں ہوئي ہے ' وہ مستقلاً قائم ہو جاتي ہے ' اور اپني نسل میں متوارث ہونے لگتي ہے -

(۴) لیکن دوسرے طبقہ میں جو نصف تعداد ایسي پیدا ہوتي ہے ' جس میں اجدادي خواص مخلوط و ممزوج حالت میں نمایاں ہوتے ہیں ' اُن میں قانون توارث کا یہ عددي تناسب برابر قائم رہتا اور آگے کي طرف بڑھتا ہے - یعني اُن کي نسل میں وہي ۲۵ - ۲۵ - في صدي الگ الگ آبائي خواص ظاہر ہوتے ہیں ' اور ۵۰ - في صدي مخلوط و ممزوج رہتے ہیں -

(۵) ماں باپ کے الگ الگ جسماني خواص سے مولود میں جو مخلوط و ممزوج حالت پیدا ہو جاتي ہے ' وہ ہمیشہ اپني نسل میں اِس طرح متوارث ہوتي ہے کہ نصف تعداد مخلوط قسم کي ہوگي ' اور نصف مورث اعلیٰ کے الگ الگ خواص کي -

(انسان میں قانون توارث)

ٹھیک یہي حالت انساني وراثت میں بھي پیش آتي ہے - اگر کوئي خالص سفید رنگ کا انسان حبشي عورت سے شادي کرلے تو اُسکي نسل ضرور سانولے رنگ کي ہوگي - پھر اگر کسي طرح خود اُسکي اولاد میں باہم دگر تناسل وتوالد شروع ہو جائے ' تو مرغیوں کي طرح اِس نسل میں بھي ۲۵ - فیصدي اولاد خالص سفید رنگ کی ہوگي ' ۲۵ فیصدي خالص سیاہ رنگ کي ' اور ۵۰ فیصدي سانولي -

جسماني خواص کے توارث کي یہ نوعیت ' معنوي خواص کے توارث کي طرف رہنمائي کرتي ہے ' اور یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ کیا اِسي طرح انسان کے ذہني و معنوي خواص و اوصاف میں بھي توارث کا سلسلہ قائم ہے ؟ اور اگر قائم ہے تو کیا اُس کا قانون بھي ایسا ہي ہے ' اور ایسا ہي عددي تناسب رکھتا ہے ' جیسا جسماني خواص کے توارث میں ہے ؟ ان سوالات کا جواب بہت زیادہ تفصیل وبحث کا محتاج ہے - اِس لیے سر دست ہم اِنہیں نہیں چھیڑتے -

عہد انقلاب اور شخصی استبداد

شخصي مطلق العناني

دنيا کي موجوده سياست پر ايک سر سري نظر

جنگ عظيم کے بعد پوري دنيا ' خاص کر يورپ اور بالخصوص اُن ممالک نے عجيب پلٹا کهايا هے جو ميدان جنگ ميں يه کهکر اُترے تهے که استبداد و ظام مٹانا چاهتے هيں - پہلے اِن ممالک ميں جو بهي نظام حکومة قائم تها وه جنگ کے بعد قائم نه رها اور علانيه يا در پرده اُس ميں بڑي تبديلي هوگئي هے - لوگ سمجهتے تهے اِس جنگ کے بعد دنيا ميں جمهوريت اور کامل حريت کا دور دوره هو جائيگا اور آزادي کا ايک ايسا نظام جاري و ساري هو جائيگا جس کے عشق ميں اِنسانيت هميشهً سے سرگرداں هے ليکن نتيجه بالکل بر عکس نکلا - جمهوريت و دستوريت کي جگهه شخصيت و استبداد نے لے لي - اِس وقت کرۂ ارضي کے اکثر ممالک ميں شخصي حکومتيں قائم هوگئي هيں - فرق صرف اِس قدر هے که پہلے بادشاهوں کي شخصيتيں زريں تختوں پر جلوه گر نظر آتي تهيں اور اب عام افراد يا فوجي افسر حکومت کي کرسيوں پر نظر آتے هيں -

روس ميں خاندان رومانوف اور زار کي جگهه بالشويک ڈيکٹيٹروں (مطلق العنان حکام) نے لے لي هے - لينن نے جس طور پر حکومة کي ' وه بهي زار هي جيسي حکومت تهي - يعني شخصيت ' مطلق العناني اور استبداد - يه بات دوسري هے که زار کي شخصيت نے ملک کو تباه کيا اور لينن کي شخصيت نے اُسے زنده اور خوش حال کرديا - دنيا کی تاريخ ميں لينن جيسے مطلق العنان حاکم کي کوئي مثال نهيں ملتي جس نے اپنے غير متناهي اختيارات اِس طرح عوام اور مظلوموں کي بهلائي ميں صرف کيے هوں -

يهي حال اٹلي کا هے - اگرچه پارليمنٹ اور دستوري پادشاه (يعني محدود اختيارات رکهنے والا) بدستور موجود هے ليکن حکومة ايک فرد واحد ' موسوليني کے آهني هاتهوں ميں هے - يه شخص پہلے انقلاب پسند اور اشتراکيت کا حامي تها ' پهر جنگ کے بعد ظلم پسند بن کر اٹلي پر حاري هوگيا اور مستبد سے مستبد بادشاهوں کي طرح استبداد و قهر کي حکومت قائم کردي - اِس نے صاف اعلان کرديا هے " اِس وقت اٹلي کو ايک ايسے زبردست حاکم کي ضرورت هے جو هر بے چيني کو کچل کر فنا کرسکے " يهي صورت اسپين ' ترکي ' يونان ' اور اب چين ميں پيش آرهی هے - اِن تمام ملکوں ميں شخصيتيں بر سر حکومت آ گئي هيں اور مفيد يا مضر نتائج پيدا کررهي هيں - يهي نهيں بلکه خود فرانس اور انگلستان ميں بهي شخصيت کي طرف ميلان بڑه رها هے - فرانس ميں تو ايک سال پہلے اخبارات تک ميں يه چرچا شروع هوگيا تها که موجوده اقتصادي اور سياسي گتهيوں کے سلجهانے ميں جمهوري نظام حکومة ناکامياب ثابت هوا هے - لهذا روس وغيره ممالک کي طرح يهاں بهی " ڈيکٹيٹر شپ " يعني شخصي استبداد قائم هو جانا چاهيے - انگلستان ميں گو اب تک اِس قسم کا خيال با ضابطه ظاهر نهيں کيا گيا ' ليکن عملاً ملک اِسي طرف جارها هے - موجوده کنسر ويٹيو وزارت بهي در حقيقت ايک قسم کي ڈيکٹيٹر شپ هي هے اور اُس کے رجعی (قدامت پسند) هونے ميں تو کوئي کلام نهيں -

(تاريخ کا سبق)

غازي مصطفى کمال پاشا

آخر يه صورت کيوں پيش آئي ؟ اِس انقلاب کي علت کيا هے ؟ تاريخ همیں کيا سبق ديتي هے ؟ جواب ظاهر هے اور تاريخ عالم پر ايک سرسري نظر ڈالنے سے صاف معلوم هو جاتا هے - تاريخ شاهد هے که جب کبهي سوسائٹي کے نظام ميں برهمي پيدا هوتي هے اور دماغي بے ترتيبي اور اختلال ' عام هوکر شورشوں اور بغاوتوں کا دروازه کهول ديتا هے ' تو هميشه يهي نتيجه هوتا هے جو جنگ کے بعد آج هم دنيا ميں اپني آنکهوں سے ديکهه رهے هيں - يعني مضبوط ارادے کے افراد برسر اقتدار آکر اپني شخصيتيں نماياں کرتے هيں اور نظام حکومت اپني مرضي کے مطابق استوار کرديتے هيں -

انقلاب فرانس ' اِس دعوے کي سب سے بڑي اور صاف دليل هے - کيسے جوش و خروش سے قوم بغاوت کے ليے اٹهي ؟ حريت ' مساوات ' اخوت کا راگ کيسي بلند آهنگي سے الاپا ؟ کيسے کيسے اصول و مبادي کا اعلان کيا گيا ؟ ليکن نتيجه کيا نکلا ؟ يهي نه که آندهي کي طرح حريت و مساوات کي هوائيں آئيں اور نکل گئيں پهر جو فضا ميں سکون پيدا هوا تو گرد و غبار کے اندر سے مستبد شخصيتيں حکومت کي بے نيام آبدار تلواريں لئے نمودار تهيں ! اِن شخصيتوں ميں سب سے آخري مگر سب سے زبردست شخصيت نپوليں بونا پارٹ کي تهي - اس عجيب انسان نے يهي نهيں کيا که بغاوت اور انقلاب کا قلع قمع کرديا بلکه ساتهه ساتهه اپني شهنشاهي بهي قائم

موسولیني ' اٹلي کا ڈیکٹیٹر

کردي - قوم نے اس نئي شہنشاهي کا اُسي جوش و خروش سے استقبال کیا ' جس جوش و خروش سے قدیم شہنشاهي کا خاتمه کیا تھا اور حریت و آزادي کے عام بلند کیے تھے - ایک شخصیت کے خلاف عظیم الشان جہاد اس پر جاکے ختم هوگیا که دوسري شخصیت قائم هوگئي - کیا اس سے بھي زیادہ غیر معقول نتیجه کسي تحریک کا نکل سکتا هے ؟ لیکن نہیں ' یه نتیجه بالکل معقول تھا - اجتماعي اصول و قوانین کے بالکل مطابق تھا -

یه کیسے ؟ یه اس طرح که انساني جماعتیں کتني هي شورش اور بیچیني کا اظہار کریں ' نظام حکومت کي کتني هي مخالف نظر آئیں ' مگر وہ اپني اجتماعي افتاد طبع سے مجبور هوکر در پرده یهي خواهش رکھتي هیں که کوئي نه کوئي زبردست نظام قائم هو ' جو هر قسم کي بیچیني کا قلع قمع کردے اور امن و آمان هر طرف پھیلا دے - یهي سبب هے که جوں هي کوئي نئي شخصیت نمودار هوتي هے اور قوم محسوس کرتي هے که وہ شخصیت ' امن بحال کرسکتي هے ' تو بے اختیار اُس کے سامنے سر جھکا دیتي هے اور حریت و آزادي کي اپني تمام خواهشیں نا دانسته فراموش کر بیٹھتي هے - دنیا کي تمام تاریخي شورشیں همیں یهي بتاتي هیں - فرانس کے عظیم الشان انقلاب نے بھي همیں یهي دکھایا هے - ایک محقق نے کیا هي خوب بتایا هے " فرانس کي " تیسري انقلابي کمیٹي " کے ممبروں میں سے عہد ہونا پارٹي (نپولین) میں ایک نے بادشاهي قبول کرلي - پندرہ نے " کونت " کا لقب اختیار کیا - سات نے مجلس اُمراء کي شرکت منظور کي - اور چھ وزیر بن گئے " یهي وہ لوگ تھے جو انقلاب کے سب سے بڑے رکن اور عام بردار تھے -

(جنگ کے بعد انقلاب)

اب هم تاریخ کي اِس عالمگیر جنگ کے بعد والے موجودہ انقلاب کو بخوبي سمجھ سکتے هیں - ایک مدت سے یورپ میں مختلف قسم کے خیالات اور نظریے پھیل رهے تھے - اِن خیالات اور نظریوں نے بتدریج دماغوں میں هیجان پیدا کیا - اِس هیجان نے اجتماعي ' سیاسي ' اور اقتصادي پیچیدگیاں پیدا کیں - اِن پیچیدگیوں نے جنگ عمومي کي آگ بھڑکائي - اور جنگ نے مذکورہ بالا اجتماعي کلیه کو بنا پر لینن اور موسولیني اور مصطفی کمال جیسي آهني شخصیتیں پیدا کردیں - پس جنگ کے بعد جو صورت نمودار هوئي هے ' وہ هرگز تعجب انگیز نہیں بلکه مستحکم و مضبوط اجتماعي قوانین کا لازمي نتیجه هے - یهي هونا چاهیے تھا جو هوا ' یهي همیشه هوا کیا هے اور شاید همیشه یهي هوا کرے گا -

(انقلابات کے باني)

یهاں یه سوال بھي قابل غور هے که انقلابات کے باني کون هوتے هیں : افراد یا جماعتیں ؟ کارلائل اور بہت سے محققین کي رائے هے که زبردست شخصیتوں کے افراد هي انقلابات پیدا کراتے اور اجتماعي نظام کي کایا پلٹ کر دیتے هیں - لیکن علم اجتماع کے دوسرے بہت سے علماء ' افراد کے بجائے جماعتوں کو اصل قرار دیتے هیں - وہ کہتے هیں قوموں کے دماغ میں انقلاب کي مخفي لہریں پہلے پیدا هوتي هیں ' پھر وهي چند افراد میں مجسم هوکر رونما هوتي هیں اور سوسائٹي پر انقلاب طاري هو جاتا هے - پس افراد بذات خود انقلاب کا سبب نہیں هوتے ' بلکه انقلابي لہروں کا مظہر هوتے هیں - زیادہ صاف لفظوں میں یوں کہو که جماعتي اثرات ' افراد کو طیار کرکے انقلاب کراتے هیں -

لیکن صحیح یه هے که انقلاب کا موجب نه تنها جماعتیں هوتي هیں ' نه صرف افراد - بلکه دونوں ایک دوسرے پر اثر ڈالتے اور ایک نئي فضا طیار کرنے میں مدد دیتے هیں - یه یقیني هے که اگر خاص قسم کے اجتماعي حالات و ضرورات موجود نه هوتے تو لینن ' موسولیني ' مصطفی کمال جیسے افراد اُبھر نہیں سکتے تھے - کیونکه یه افراد مدت سے موجود تھے مگر اُسي وقت رونما هوے جب حالات نے اُن کي مساعدت کي - لیکن ساتھه هي یه بھي یقیني هے که اگر یه افراد اپني غیر معمولي قوتیں کام میں نه لاتے تو اُن کے مساعد حالات بھي پیدا نہیں هو سکتے تھے اور انقلابات بھي طاري نہیں هو سکتے تھے - اِس سے ثابت هوتا هے که انقلاب میں افراد اور جماعتیں دونوں برابر کی حصه دار هوتي هیں ' تنها کوئي ایک سوسائٹي ' میں تبدیلي پیدا نہیں کرسکتا -

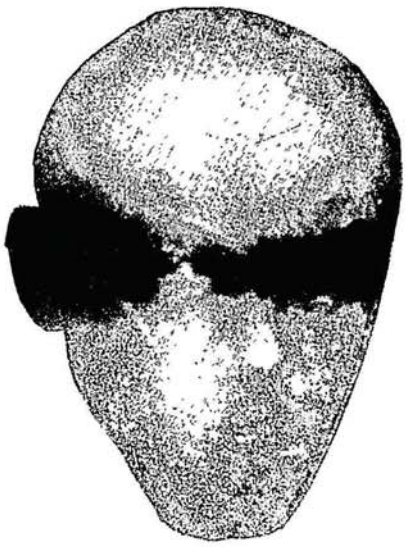

لینن ' روس کا دیکٹیٹر ' جو اب مر چکا هے

(انقلابي زنج اور قومیں)

یه بھي ایک ثابت حقیقت هے که تمام قومیں انقلاب کي یکساں صلاحیت نہیں رکھتیں - تاریخ بتاتي هے که فرانس اور بحر متوسط کے کناروں پر رهنے والي اکثر قومیں انقلاب کي زیادہ صلاحیت رکھتي هیں - آب و هوا اور دوسرے اسباب نے اُنهیں دوسري قوموں سے زیادہ حساس ' جلد متاثر هونیوالا ' اور خیالي بنا دیا هے - وہ نئے نظرے جلد

پرائمو ڈي ریورا ' اسپین کا ڈیکٹیٹر

قبول کر لیتیں اور اُن پر عمل کرنے میں تیزی سے پیش قدمی کرتی ہیں - لہذا وہ زیادہ انقلاب پسند ہیں -

برخلاف انکے انگلو سکسن (انگریزی) قومیں' زیادہ عملی ہیں - محض نظریوں سے متأثر نہیں ہوتیں - اُن کے جذبات اور دماغی رجحان زیادہ پائدار ہیں - وہ انقلاب کی طرف کم مائل ہوتی ہیں - جرمن قوموں کا بھی یہی حال ہے' مگر ان میں احساس کسی قدر زیادہ ہے -

روس' روحانی و نظری خیالات کی طرف سب سے زیادہ مائل ہیں - کمزور عقل اور کمزور ارادہ رکھتے ہیں - اِسی لیے ہر انقلابی دعوت کو لبیک کہنے کے لیے طیار رہتے ہیں - اِس خصوصیت میں اگر اُن پر کوئی سبقت لے گیا ہے تو وہ یہودی ہیں - یہ قوم باغیانہ دماغ رکھتی ہے اور ہر جگہ بغاوت کی تخم ریزی کرتی ہے - ایک محقق نے بتلایا ہے " اجتماعی نظامات پر سب سے زیادہ نکتہ چیں اور بغاوت کی سرگرم دعوت دینے والی کتابیں زیادہ تر یہودیوں ہی کے قلم سے نکلی ہیں - حتی کہ موجودہ سوشیلزم یا بالشویزم بھی ایک یہودی ہی کی ایجاد ہے - اِس کا نام کارل مارکس تھا - اور اِس مذہب کے بڑے بڑے ارکان مثلاً لینن' ترا‌سکی وغیرہ سب یہودی النسل ہیں - یہودیوں کے اِس خاصے کے دو سبب ہیں : اول یہ کہ وہ سامی نسل ہیں - اور معلوم ہے کہ سامی نسل فطرتاً خیالیات و نظریات کی دلدادہ ہوتی ہے - دوسرے یہ کہ مخصوص اجتماعی حالات نے یہودیوں کا دماغ باغیانہ کر دیا ہے - دنیا میں شاید سب سے زیادہ مصیبتیں اِسی قوم نے برداشت کی ہیں اور یہ اِسی کا نتیجہ ہے کہ اُسمیں بغاوت و انقلاب کی روح قائم ہوگئی ہے -

پھر یہ بات بھی خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ جو قومیں جمود و تقلید کی زیادہ دلدادہ ہوتی ہیں اور حالات کی تدریجی تبدیلی کے ساتھہ اپنے تئیں بدلتی نہیں رہتیں بلکہ اپنے جمود پر اڑی رہتی ہیں' وہ اگرچہ دیر میں انقلابی روح سے متأثر ہوتی ہیں مگر جب ایک دفعہ ہو جاتی ہیں تو پھر اُنھی میں سب سے بڑا انفجار بھی ہوتا ہے اور اچانک اُن کی سوسائٹی درہم برہم ہوجاتی ہے - اِس اصل کی بنا پر پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ ہندوستان میں جب کبھی انقلاب ہوگا تو نہایت ہی ہولناک ہوگا اور پوری موجودہ سوسائٹی کو درہم برہم کر ڈالے گا - کیونکہ یہ ملک سخت جمود کی حالت میں رہا ہے اور تدریجی ترقی سے برابر انکار کرتا رہا ہے - ہندوستان میں جب انقلاب آئے گا تو دنیا بھر کے انقلابات سے زیادہ موثر ثابت ہوگا اور شاید سوسائٹی کی موجودہ کوئی چیز بھی باقی نہ چھوڑے گا - عادات و اطوار' رسم و رواج' خیالات و افکار غرضکہ کوئی شے بھی اُس کی ضرب سے نہ بچے گی - اگر ایسے ہولناک انقلاب سے بچنا ہو تو اُسکی صرف یہی ایک تدبیر ہے کہ ابھی سے ملک کو تدریجی ترقی پر لگایا جائے - جوں جوں حالات بدلیں' ملک میں بھی تبدیلی پیدا کی جائے - ورنہ موجودہ جمود اور ٹھہراؤ' آیندہ قیامت کا پیش خیمہ بننے والا معلوم ہوتا ہے -

علم اور دین

کیا فی الحقیقت علم اور دین دو محارب فریق ہیں ؟

رہ رہ کر شور اٹھتا ہے کہ دین اور علم میں نزاع قائم ہے' اور یہ کہ علم اور دین' دونوں کی فطرت میں اِس عداوت و تنافر کی بنیادیں مخفی ہیں - بلا شبہ یہ دعوی ایک مدت سے زباں زد خاص و عام ہے - مزید برآن تاریخ سے بھی اِسکی شہادت ملتی ہے - صرف تاریخ ہی نہیں' خود ہمارا مشاہدہ بھی اِسکی تائید کرتا ہے - لیکن بایں ہمہ ابتک کوئی قطعی ثبوت اِس دعوے کی صحت کا نہیں ملا - تاریخی واقعات اور ہمارے مشاہدے کتنے ہی کثیر ہوں' تاہم یقینی طور پر ثابت نہیں کر سکتے کہ دین اور علم کے طبائع فی الحقیقت باہم متضاد ہیں -

موجودہ تمدنی حالات پر ایک سر سری نظر' اس دعوے کے مشکوک کر دینے کے لیے کافی ہے - موجودہ عہد میں مادی علم کا دھارا اتنی شدت و قوت سے بہہ رہا ہے' جس کی نظیر کسی پچھلے زمانے میں نہیں مل سکتی - لیکن با وجود اس کے ٹھیک علم کے پہلو بہ پہلو' ہم دینی روح کو بھی پوری مضبوطی سے قائم پاتے ہیں - کسی عہد میں بھی دینی روح انسانی قلوب میں بہ حثیت عمومی اس سے زیادہ راسخ نہیں ہوگی' جتنی اِس وقت ہے - بے شک ہم تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا پر ایسے تمدنی دور گزرے ہیں جن میں وقتی طور دین کا دبدبہ گھٹ گیا اور مادیت کے غوغا پر اُسکا نعرہ غالب نہ آ سکا' لیکن ساتھہ ہی ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ خارج میں دین کی آواز کتنی ہی پست کیوں نہ ہو گئی ہو' روح کے اندر اُسکی بنیادیں ہمیشہ یکساں طور پر استوار رہی ہیں - انسانیت کی پوری تاریخ مین ایک لمحہ بھی ایسا بتایا نہیں جا سکتا' جس میں دینی یقین و ایمان کے ستون متزلزل ہو گئے ہوں -

اگر واقعی دین اور علم میں معرکہ برپا ہوتا تو ابتک مدت کا فیصلہ بھی ہو چکا ہوتا - ٢٥ - صدیوں سے یہ دونوں نام نہاد حریف پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں - مگر ابتک دنیا نے اُنکا کوئی فیصلہ کن معرکہ نہین دیکھا - کیا یہ طویل و عریض مدت بھی فیصلہ کے لیے کافی نہ تھی ؟

لیکن فیصلہ ہوتا کیونکر؟ دونوں میں اگر فی الحقیقت کوئی نزاع ہوتی تو اُس کا فیصلہ بھی وقوع میں آتا - یہاں سرے سے جنگ ہی نہیں ہے - حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں اپنے لیے فکر انسانی میں بالکل الگ الگ میدان رکھتے ہیں - یہی سبب ہے کہ دونوں اپنی اپنی جگہہ پر باقی و قائم ہیں - دونوں کا کہیں بھی حقیقی تصادم نہیں ہوتا - دونوں فکر انسانی کے دو علحدہ علحدہ مظہر ہیں -

لیکن اگر حقیقت یہ ہے تو پھر اُس طویل اور خونیں تاریخ کی ہم کیا توجیہہ کریں جبکہ دینی پیشواؤں نے علم کا گلا گھونٹنے کی کوششیں کیں ؟ نیز اُس مبازرت طلبی کی کیا تاویل کریں جو اصحاب علم کی طرف سے اِس وقت تک دین کو دی جا رہی ہے ؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ وہ دین جو طبیعت انسانی کا ثمرہ ہے' اور وہ علم جو عقل انسانی کا نتیجہ ہے' دونوں میں کبھی تصادم نہیں ہوا' جو تصادم ہوا ہے وہ سراسر اُس دین

اور علم میں ہوا ہے جو لاہوتي پیشواؤں کا مبتدع دین ہے اور ناقص و خام مدعیان علم کا کج اندیش علم ہے ' تو ہم بڑي آساني سے نہ صرف پچھلي تاریخ کے تمام حوادث کي تعلیل کر سکینگے ' بلکہ مستقبل کے واقعات پر بھي روشني ڈال سکینگے -

(۲)

انساني جماعتیں شعور رکھتي ہیں مگر فکر نہیں رکھتیں - بلکہ کہا گیا ہے کہ جماعت کي شعوري ترقي کا پیمانہ ' اُسکا وہ فرد ہے جو سب سے زیادہ کمزور فکر ' سب سے زیادہ مضطرب شعور ' رکھتا ہے - جماعت جس طرح محض شعور رکھتي ہے ' اُسي طرح سراسر جمود سے بھي لبریز ہوتي ہے - اور یہ کہ اُسکا یہ جمود ترقي کے گوناگوں میدانوں میں اُسکے قدموں کے توازن کیلیے ضروري ہے -

سالہا سال سے علماء اجتماع یہي کہہ رہے ہیں جو گستاؤ لیباں کا نظریہ ہے - لیکن کبھي اُن کے ذہن میں یہ حقیقت نہیں آئي کہ جماعت ' ایک جامد مخلوق ہے - تغییر و تجدید بہت دیر میں میں قبول کرتي ہے - اِس بارے میں مجھے صرف ایک انگریز عالم کارل پیرسن کا قول ملا ہے - وہ کہتا ہے :

" ڈارون اور اسپنسر کي تصانیف میں بڑا فرق یہ ہے کہ اسپنسر کي کتابیں بارجود اپني تمام قوت و تاثیر کے جلد مٹ جائینگي - برخلاف اس کے ڈارون کي کتابیں باقي رہینگي - کیونکہ اُن میں بے نظیر بصیرت اور قوت ادراک موجود ہے - اِن کتابوں نے انفرادي اور اجتماعي زندگي کے لیے ایسے اصول و مبادي پیش کر دیے ' جنہوں نے دنیا کو قدیم افکار کے بدلنے پر مجبور کردیا - نیز ہمارے اخلاقي مطمح نظر کو بھي اونچا کرنا اور ہمارے سامنے میدان زیادہ وسیع کرنا شروع کردیا ہے - بلا شبہ اِن اصول و مبادي کا اثر بہت سست رفتار ہے ' لیکن یہ سست رفتاري ہمیں نا امید نہ کرے - سب سے قوي موثر ' جو ہمارے اجتماعي بقاء کي عمارت محفوظ رکھتا ہے ' وہ وہي صفت ہے جسے ہم سب سے زیادہ مکروہ رکھتے ہیں - یعني قدامت اور جمود کي صفت - اِسي قدر نہیں بلکہ وہ دہشت ناک مخالفانہ صدائیں جو ہر جدید فکر کے خلاف جماعت کي طرف سے بلند ہوجاتي ہے ' ہماري اجتماعي زندگي کي حفاظت کے لیے قوي ترین موثر ہیں - جماعت کا یہ جمود اُس کے جسم کي محافظت کرتا ہے اور نئے نئے تجربوں کا تختۂ مشق بننے نہیں دیتا - نیز صالح کو غیر صالح اور اصلح کو غیر اصلح سے متمیز کر دیتا ہے "

عالم مادي اور جماعات انساني کي تکوین میں بہت بڑي مشابہت موجود ہے - دونوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جو اُن کے نظام و توازن کي حفاظت کرتے ہیں - چنانچہ جس طرح جوہر فرد (ایٹم) میں دو متضاد کہربائي لہریں : ایجابي اور سلبي جاري ہوتي ہیں ' یا جس طرح تمام مادي دقائق مین جذب و دفع کي دو مخالف قوتیں جمع ہوتي ہیں ' ٹھیک اُسي طرح اجتماع انساني میں تقدم و جمود کے دو مخالف عناصر ہوتے ہیں - زندگي کے لیے موت لازمي ہوتي ہے اور موت کے لیے بعث (دوبارہ زندگي) ضروري ہوتا ہے - اِس طریقہ پر غور کرنے سے ہم سمجھہ سکتے ہیں کہ جماعت کي سلبي صفات جنہیں ہم نا پسند کرتے ہیں ' در حقیقت اُس کے بقاء کے لیے ناگزیر ہیں .

اِس حقیقت کو زیادہ وضاحت کے ساتھہ سمجھنے کے لیے کوئي نرم مادہ لے لو اور اُس پر دباؤ ڈالو ' تم دیکھوگے کہ دباؤ کے ساتھہ ھي اُس کي شکل بدل جائیگي - پھر دوبارہ اُسے دابو ' فوراً دوسري شکل اختیار کرلے گا - اس طرح ہر دباؤ پر وہ ایک نئي صورت میں تبدیل ہوتا جائیگا - پس اگر انساني جماعت کي طبیعت بھي اِسي مادے کي طرح نرم ہوتي ' اور اُس میں جمود و قدامت پرستي کي ٹھوس صفتیں نہ ہوتیں ' تو ظاہر ہے ' کیسي طوائف الملوکي اور انتشار پیدا ہوجاتا ؟ روز روز اُس میں تبدیلیاں ہوتي رہتیں ' اور نظام انساني تہہ و بالا ہوکر رہ جاتا -

تمام عملي فلسفے شمار کرو . سقراط کا مذہب دیکھو ' کلبي ' اِبي کوري ' رواقي ' مشائي ' وغیرہم کے مذاہب پر نظر ڈالو - اِس کے بعد غور کرو کہ اگر اجتماع انساني کا مزاج نرم مادے کي طرح ہر وقت تبدیلي قبول کرنے کي صلاحیت رکھتا ' تو ان بے شمار اور متضاد مذاہب کي موجودگي میں اُس کا کیا حال ہوجاتا ؟ یقیناً اُس کا سارا نظام علم و فکر زیر و زبر ہوجاتا اور کوي وسطی و اصلح راہ پیدا نہ ہوتي -

یہي حال سیاست ' دین ' زبان اور اُن تمام امور کا ہے جن پر تمدن کے ستون قائم ہین -

پس اب یہ واضح ہوگیا کہ تقدم و ارتقاء ایک ایجابي قوت ہے ' جسے بارجود مقاومت کرنے کے سلبي قوت یعني جمود کي صفت مدد دیتي اور آگے بڑھاتي ہے - اگر اجتماع انساني ایک مادي دقیقہ ہوتا تو اُسکے جواہر باہم جذب و دفع کے متضاد عملوں میں مصروف نظر آتے - کیونکہ یہ متضاد عمل ' اُس کي ہستي قائم رکھنے کیلیے ضروري ہے - ٹھیک اِسي طرح تقدم و جمود کي متضاد صفتیں بھي اجتماع انساني کے بقاء و دوام اور نشوء و ارتقاء کیلیے لازمي ہیں -

بنابریں ہمیں قدامت پرست جامدوں کو یک قلم برا نہیں سمجھنا چاھیے - انکا جمود بھي بقاء و حیات کیلیے اسي طرح ضروري ہے ' جس طرح تجدد اور تقدم پر عمل کرنے والوں کا وجود ضروري ہے - جامدین ' اجتماع انساني کیلیے ایک سلبي قوت ہیں ' جو جماعت کي رفتار میں اعتدال و توازن پیدا کرتے رہتے ہیں -

(۳)

ہربرٹ اسپنسر نے اپني کتاب " مبادي معاشرت و اجتماع " ما بعد الالیات کے تطور کي بحث سے شروع کي ہے - وہ کہتا ہے تطور کي تین قسمیں ہیں : (۱) تطور غیر عضوي اور اسکا تعلق آسمان و زمین اور سیاروں کي بنا سے ہے - (۲) تطور عضوي اور اسکا تعلق طبیعي ظواہر سے ہے جنہیں ہم طبیعت حیہ اور مختلف درجوں کے نبات و حیوان کي ترکیب میں مشاہدہ کرتے ہیں - پھر وہ مظاہر ذہني (سائیکا لوجي) جو اُن صور حیہ کا خاصہ ہیں جو ترقي کي اُس حد کو پہنچ گئي ہیں جہاں طبیعت تطور نے انہیں اِن مظاہر کا اہل بنا دیا ہے - (۳) تطور ما بعد الالیات یا ما بعد العضویات - یہ في الحقیقت حالت اجتماعي کا سن بلوغ اور جماعت کے افراد میں تقسیم عمل ہے -

اگر ہم اِس اصول کي تحلیل کریں اور اپنے موضوع سے تطبیق دیں ' تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ تطور مابعد الالیات ' نشوء کا وہ آخري درجہ ہے جس تک حیواني جماعتوں کي ترقي پہنچي ہے - انسان بھي اِس سب میں حیوان کا شریک ہے بلکہ مابعد الالیات میں اُس زیادہ سے زیادہ ترقي تک پہنچ گیا ہے جہاں تک حیوان سے پہنچنا ممکن ہے - اگر یہي ہے تو پھر انسان کو باقي مخلوق پر کیا امتیاز حاصل ہے ؟ انسان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے مابعد العقلیات سے ایک ایسي قوت حاصل کرتا ہے جسکے ذریعہ اپني عقل کو اپنے مجموع کي بھلائي میں لگاتا ہے !

کیا قانون کی نکته چینی، قانون کی توهین هے ؟

تاریخ قوانین مدینه کا ایک صفحه

وکٹر هیگو کی تقریر اپنے لڑکے کی حمایت میں

(۱)

سنه ۱۸۵۱ کا واقعه هے که فرانس میں ایک مجرم کو قتل کی سزا دی جا رهی تهی - مجرم نے گلوٹین (انقلاب فرانس کے آلۂ قتل) پر چڑهنے سے انکار کیا ' شور مچایا ' واریلا کیا ' نوحه و بکا کیا ' سخت جسمانی مزاحمت کی ' مگر اُسکی کوئی سعی کارگر نہیں هوی - عدالت فیصله کر چکی تهی - جلادوں نے بے دست و پا کرکے اُسے گلوٹین پر چڑهایا اور قتل کردیا گیا -

فرانس کے مشہور شاعر و کاتب وکٹر هیگو کے لڑکے چارلس هیگو نے یه منظر اپنی آنکهوں سے دیکها ' تو بے اختیار هوگیا اور قتل کی سزا کے خلاف اخبار L, Evenement میں ایک مضمون شائع کیا - حکومت کی نظر سے یه مضمون گزرا تو کاتب پر قانون کی توهین کا مقدمه دائر کیا ' کیونکه اِس مضمون میں براہ راست قانون کی اِس نوعیت پر حمله کیا گیا تها -

اِس واقعه نے فرانس میں سخت هلچل ڈال دی - بیک وقت دو بحثیں پیدا هوگئیں : سزائے قتل کی اخلاقی حیثیت اور قانون کی " نکته چینی " اور قانون کی " توهین " میں فرق - اِنهی دونوں اهم بحثوں پر وکٹر هیگو نے ۱۱ جون سنه ۱۸۵۱ کو عدالت میں ایک بہت هی بلیغ اور پُر زور تقریر کی - اِس موضوع پر یه تقریر بے نظیر سمجهی جاتی هے - اِس میں فرانس کے شاعر نے قوت واستدلال اور قوت خطابت دونوں کا بہترین مظاهره کیا هے -

---

فرد اور جماعت کبهی متفق نہیں هوتے - وه همیشه دو متضاد وجود هیں - دونوں کی طبیعت ایک دوسرے سے بالکل مختلف هے - دلیل یه هے که ایک هی زمانه میں رهنے والے افراد کی عظیم تعداد کبهی بهی جماعت کے تطور اور اُسکے مظاهر پر متنبه نہیں هوتی اور نه اس تطور کو بهلائی اور امن کی طرف لانے کی کوشش کرتی هے - فرد جماعت کے تطور سے خود بهی تطور حاصل کرتا هے - لیکن اُسکے وقوع کی اُسے هرگز کوئی خبر نہیں هوتی - پهر خود جماعت بهی اپنے تطور کا کوئی احساس نہیں کرتی ' یہانتک که امتداد زمانه ' جماعت کے تدریجی تطور کو نمایاں کر دیتا هے اور آئنده نسلیں اُسے محسوس کرتی اور دیکهتی هیں -

فرد کا جماعت کے شعور کے ماتحت آجانا اُسے اپنی مستقل عقلیت سے دور کر دیتا هے - جماعتی شعور کا دهارا اُسے جدهر چاهتا هے ' بہا لیجاتا هے : شر کی طرف یا خیر کی طرف - جماعتی شعور اور انفرادی عقلیت کی جنگ نے پوری انسانی تاریخ بنائی هے - تمام جنگی حوادث ' اجتماعی انقلابات اور مختلف مدنیتوں کے قیام میں همیں هر جگهه یهی حقیقت نمایاں نظر آتی هے - یهی روح ' انسانیت کی گردن پکڑے همیشه کهینچتی هوئی دکهائی دیتی هے -

اِس تقریر کی قانونی اور ادبی ' دونوں حیثیتیں ایسی هیں که ضروری هے ' اردو علم ادب اس سے خالی نه رهے - هم نے حتی الوسع لفظی ترجمه کیا هے -

(وکٹر هیگو کی تقریر)

" سرکاری وکیل کے ابتدائی الفاظ سننے کے بعد میں نے یقین کرلیا تها که وه الزام سے دست بردار هو جائیگا - لیکن میرا یه یقین ' محض بے بنیاد وهم ثابت هوا اور بہت جلد دور هوگیا - سرکاری وکیل نے متعدد کوششیں کیں (جو سب کی سب نا کام رهیں) که موضوع کو محدود و محصور کردے - لیکن موضوع کی طبیعت نے اُسے تفصیل پر مجبور کر دیا - نتیجه یه هوا کے تمام پہلو روشنی میں آ گئے ' اور وکیل کی خلاف مرضی معامله نے اپنی پوری اهمیت حاصل کرلی - لیکن مجهے اِس نتیجه پر کوئی شکایت نہیں هے -

" میں اب بلا کسی تمہید کے فوراً الزام کا مقابله کرتا هوں -

" لیکن سب سے پہلے همیں ایک بنیاد پر متفق هو جانا چاهیے - کیونکه مشہور مقوله هے " موضوع کی عمده تعریف ' عمده بحث پیدا کرتی هے " پس همیں سب سے پہلے یه طے کر لینا چاهیے که " قانون کی حرمت " کے معنی کیا هیں ؟ یه اس لیے که آج کی بحث کی بنیاد یهی مسئله هے -

" نا ممکن هے اِس جمله کے معنے یه هوں که قانون کی حرمت کے بہانے سے قانون پر نکته چینی روک دی جائے - اِس جمله کے معنی اس سے زیاده کچهه نہیں هو سکتے که قانون کی تنفیذ کا احترام کیا جائے اور بس - یه جمله ' نکته چینی کی پوری آزادی دیتا هے ' سخت سے سخت نکته چینی کی بهی ' بلکه مذمت کی بهی - صرف ایک قانون هی کی نہیں بلکه خود ملک کے دستور (کانسٹی ٹیوشن) کی بهی جو سب سے اعلی قانون هوتا هے -

" یه جمله همیں پوری آزادی دیتا هے که تشریعی قوت (قانون ساز قوت) کو کسی " خطرناک " قانون کی منسوخی پر آماده کریں - اِسی قدر نہیں بلکه یه همیں اجازت دیتا هے که قانون کی راه میں هر قسم کی اخلاقی اور معنوی دشواریاں حائل کریں - بلا شبه وه همیں مادی دشواریاں پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتا -

" قانون نفذ هونے دو ' اگرچه کتنا هی خراب ' کتنا هی ظالمانه ' کتنا هی وحشیانه هو - اپنے دل و دماغ کے سامنے اُسکی شکایت کرو - مقنن سے شکوه کرو - مگر خود قانون کو روکو نہیں - اُسے جاری هونے دو - ببانگ دهل کہو که وه خراب هے - ظالمانه هے - وحشیانه هے - لیکن اُسکی راه روک کر کهڑے نه هو -

" هم نکته چینی کرینگے - مذمت کرینگے - مگر بغاوت نہیں کرینگے - یهی وه حقیقی معنی هیں ' یهی وه وحید معنی هیں " قانون کے احترام " کے ' اگر یه نہیں تو اے حضرات ذرا غور تو کیجیے -

" قانون سازی کا مشکل عمل دو قسموں پر منقسم هوتا هے : مقنن اور اخبارات - اگر میری تشریح قبول نه کی جائے تو اِسکا نتیجه اسکے سوا کچهه نہیں هو سکتا که دوسری قسم معدوم هو جائیگی - کیونکه اخبارات کا فرض هے که قوانین پر نکته چینی کرکے مقنن کو قانون سازی میں مدد دیں ' وه مدد جس کے بغیر کوئی قانون مکمل نہیں هو سکتا - جب یه قسم معدوم هو جائیگی تو قدرتی طور پر پہلی قسم ' یعنی مقنن کا وجود بهی بیکار هو جائیگا - یعنی هماری پارلیمنٹ معطل هو کر ره جائیگی اور اُس کے لیے اِس کے سوا کوئی کام باقی نه رهے گا که همیشه کے لیے بند هو جائے -

" میرے خیال میں سرکاري وکیل کي منطق یه خواهش تو نه رکهتي هوگي (قہقه)

" اِس مسئله کے صاف کردینے کے بعد اب میں اصلي موضوع پر متوجه هوتا هوں -

" جج اور جیوري ! اُس ضابطهٔ قانون میں ' جسے هم " قدیم یورپین ضابطهٔ قانون " کہہ سکتے هیں ' ایک ایسا قانون موجود هے جسؔ کي منسوخي پر گزشته سو برس سے تمام فلاسفه ' مفکرین ' اور حقیقي سیاست داں زور دے رهے هیں - سب کا بیک زبان مطالبه رها هے که " مقدس تعزیرات " سے یه قانون همیشه کے لیے نکال دیا جائے -

" اِس قانون کے متعلق بکاریا نے کہا تہا " یه بے دین قانون هے" فرانکلین کہا کرتا تہا " یه خوفناک قانون هے " لیکن همیں معلوم هے اِن دونوں پر کبہي توهین قانون کا مقدمه نہیں چلایا گیا -

" اِسي قانون کے بارے میں لوئي فلپ نے (جس کا نام میں اُس احترام کے بغیر نہیں لے سکتا جو پیري اور بد نصیبي کے لیے اور هر اُس شخص کے لیے ضروري هے جو اِس قانون کي قربان گاہ پر بهینٹ چڑها هو) کہا تہا " زندگي بهر مین اس سے نفرت کرتا رها هوں " اِسي قانون پر مسیو جیزو اور مسیو دي بروگلي نے سختي سے نکته چیني کي تهي -

" یهي وہ قانون هے جسے هماري پارلیمنٹ نے اب سے بیس برس پہلے تسلیم کیا هے - یعني اکتوبر سنه ۱۸۳۰ غ میں - حالانکه ٹهیک اِسي زمانه میں ایک نیم وحشي امریکن پارلیمنٹ نے اِسے ملک کے ضابطهٔ قوانین سے خارج کردیا تها -

" یهي وہ قانون هے جسے تین سال هوئے فرنکفورٹ کانگریس نے منسوخ کیا - اور اِسي کو چند سال هوئے انجمن جمہوریت روماں نے باطل کردیے جانے کا فیصله کیا هے -

" یهي قانون هے جسے هماري مقنن مجلس نے سنه ۱۸۴۸ ع میں بڑے پس و پیش کے بعد منظور کیا تها - یهي وہ قانون هے جو اِس وقت جب که میں تقریر کر رها هوں اُن دو تجویزوں کے رحم پر زنده هے جو اُس کے خلاف هماري مقنن مجلس میں پیش هیں -

" یهي وہ قانون هے جسے ٹسکانیا اور روس ' دونوں ٹهکرا چکے هیں ' اور اب وقت آگیا هے که فرانس بهي اُسے نفرت سے ٹهکرا دیے -

" یهي وہ قانون هے جس کے سامنے سے انساني ضمیر نفرت و کراهت کے ساتهه بهاگتا هے -

" وہ قانون کیا هے ؟

" قتل !

" اور اے حضرات ! یهي وہ قانون هے جس نے آج یه مقدمه پیدا کیا هے - یهی همارا حقیقي دشمن هے - ممکن هے سرکاري وکیل کو غصه آجائے - لیکن میں یه کہے بغیر نہیں رہ سکتا که اُس کے پیچهے بهي یهي قانون چهپا کهڑا هے (قہقه)

" مجهے اعتراف هے که مسیو لیوں فوشو کي طرح گزشته بیس برس سے میں بهي یقین کرتا تها که " اب گلوٹین ' عام میدانوں میں ظاهر نہیں هوگي - لیکن مجهے یه بهي یقین تها که اب گلوٹین ' قانوني نقاب اوڑهتي جاتي هے - اب اُس کی حیثیت پہلے سے بہتر هوگئي هے - اب اُس نے میدان چهوڑ دیا هے ' جہاں سورج چمکتا اور مخلوق جمع هوتي هے - اب وہ سڑکوں کا هجوم پسند نہیں کرتي - اب اُس کا تماشه دل پسند نہیں رها - اب وہ تماشه تاریکي میں دکهاتي هے - " سان جاک " کے قید خانے میں - خالي جگه میں - لوگوں کي نظروں سے دور - میں اِس پر مطمئن هوا - میں نے اُسے اپنا منهه چهپاتے دیکها ' اور اِس شرم و حیا پر مبارک باد دي - لیکن اے حضرات ! یه میري غلطي تهي - کیوں که اُس نے بہت جلد اِس عارضي حیا کا پردہ چاک کرڈالا اور انتہائي بے شرمي کے ساتهه باهر نکل آئی !

" سان جاک کا قید خانه یقیناً اِس ملکهٔ قتل (یعنی گلوٹین) کے لیے توهین آمیز هے - لہذا اب همیں طیار هو جانا چاهیے که جلد اُسے پهر عام میدانوں میں سورج کے نیچے دیکهینگے - جلادوں کي قطاریں اُس کے سامنے کهڑي هونگي - مسلح پولیس اور فوج اُس کے اعزاز میں دست بسته هوگي - بہت ممکن هے اُس کا تخت خونیں ' اُسي بلدیه (کارپوریشن) کے روشن دانوں کے نیچے بچهایا جائے ' جس کي کهڑکیوں میں کهڑے هوکر بعض نالائقوں نے ۲۴ فروري کو اُسے چلا چلا کر گالیاں دي تهیں -

" اب گلوٹیں پهر طیاري کر رهي هے - اُس نے سوچنا شروع کردیا هے که مضطرب هیئت اجتماعیه کو اپنے استقرار کے لیے ' پهر تمام پچهلي روایات کي طرف لوٹ جانا چاهیے - چونکه وہ خود بهي ایک قدیم رسم هے ' اس لیے اُسے بهي از سر نو آگے بڑهنا چاهیے - وہ تمام مصلحین کے خلاف احتجاج بلند کررهي هے ' کیونکه اُنہوں نے انتہائي گستاخي کے ساتهه اعلان کیا تها که سر کاٹنے کا آله اُس مجمع کا نشان نہیں هوسکتا ' جس کي کتاب ' انجیل هے !

" وہ اِن مصلحین پر سخت خفا هے - کیونکه محسوس کرتي هے که اِن خیالي آدمیوں کے سامنے ' جو نظام اطاعت نهیں جانتے ' وہ بے وقعت هوتي هے (قہقه) وہ چاهتي هے دنیا بهر اُسکي عظمت کا راگ گائے اور اُسکے سامنے تعظیم سے جهک جائے اگر ایسا نہیں هے تو وہ خفا هو جائیگي ' اپنی توهین پر شور مچائیگي ' عدالت میں دعوی کریگي ' اور معاوضه طلب کریگي " (قہقه)

جج ــــ مقرر کے بیان پر استحسان یا مذمت کا اظہار قطعي طور پر ممنوع هے - اِس موقعه پر قہقه نہایت نا مناسب هے -

وکٹر هیگو (تقریر جاري رکهتے هوے) " یه ملکهٔ معظمه (گلوٹین) خون کي مالک هے - لیکن وہ اِسے کافي نہیں سمجهتي - وہ جرمانے اور قیدخانے کي بهي حاکم بننا چاهتي هے -

" محترم عدالت ! جس دن میرے سامنے وہ پروانه پیش کیا گیا جو میرے لڑکے کے نام آیا تها - یعني اِس مقدمه کا سمن ' (آج کل هم کتنے عجائبات دیکهه رهے هیں اور همیں عجائبات دیکهنے کا کس قدر عادي هونا چاهئے ؟) مجهے اعتراف کرنا چاهئے که وہ پروانه دیکهکر میري حیرت کي کوئي حد نه رهی - میں نے تعجب سے کہا - کیا ؟ ... تو کیا اب هم اِس حد تک پہنچ گئے هیں ؟ کیا اب هم اِس وجه سے مجرم قرار پائینگے که عقل ' ضمیر ' آزادي خیال ' اور قانون طبیعت کے حامي هیں ؟ کیا اب هم سے صرف مادي احترام کافي سمجها نہیں جاتا (جس سے همیں کبهی انکار نہیں هوا ' جو هم پر واجب هے ' اور جسے هم فعلاً پیش بهی کر رهے هیں) بلکه اب هم سے مطالبه کیا جا رها هے که معنوي احترام بهي اِن سزاؤں کیلیے پیش کریں جو انساني ضمیر کو پاش پاش کر رهي هیں - جنہیں دیکهکر هر عقلمند کا رنگ فق هو جاتا هے - جنسے دین نفرت کر رها هے ؟ وہ سزائیں جو سنگ دلي سے بهي بڑه کر ایک برائي هیں - جنکے نفاذ کے بعد اُنکي تلافي محال هے - جو بالکل اندهي هیں - وہ سزائیں جو انساني خون سے تر بتر هیں - جو دین سے بالکل دور هیں - وہ جب مجرم کے سر پر نازل هوتي هیں تو شبه هوتا هے که انسانیت اِس عالم میں موجود نہیں هے - جب بے گناہ پر پڑتي هیں تو خود خدا کے وجود میں شک پیدا هو جاتا هے ...

" لیکن نہیں ! نہیں ! ہرگز نہیں ! ہم ابھی اِس حد تک نہیں پہنچے ہیں . . . میں نے کہا مجھے پروانہ دیکھکر سخت حیرت ہوئی (آپ عنقریب جان لینگے میری حیرت کس درجہ عظیم تھی) کیونکہ میں نے خیال کیا ' اگر اِس " جرم " کا کوئی حقیقی مجرم ہے ' تو وہ میرا بیٹا نہیں ' خود میں ہوں -

" میں اِس وقت عدالت کے سامنے پوری صفائی سے اعلان کرتا ہوں کہ اِس جرم کا حقیقی مجرم میں ہوں ' میں ! کیونکہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں ہی اِن سزاؤں کے خلاف ہر ممکن ذریعہ سے جنگ کر رہا ہوں -

" میں تصریح کرتا ہوں کہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں نے ہر طریقہ سے " انسانی زندگی کی حرمت " بچانے کی کوشش کی ہے - یعنی وہی جرم کرتا رہا ہوں جو اِس وقت میرے لڑکے پر عائد کیا جا رہا ہے - میں نے یہ جرم اپنے لڑکے سے بہت پہلے شروع کیا تھا ' اور اِس سے کہیں زیادہ سخت طریقہ پر اُسکا ارتکاب کرتا رہا ہوں - مہربان سرکاری وکیل ! دیکھو ' میں خود اپنے خلاف گواہی دے رہا ہوں - میں اقبالی مجرم ہوں - حلفیہ اقبال کرتا ہوں - میں نے ہر موقعہ پر یہ جرم کیا ہے - بار بار کیا ہے - اصرار کے ساتھہ کیا ہے - ہمیشہ کرنے کا عزم رکھا ہے - یہ عزم اِس وقت بھی میرے قلب میں موجود - بلکہ اِس وقت بھی میں اِس جرم سے آلودہ ہو رہا ہوں - خود عدالت کے سامنے آلودہ ہو رہا ہوں !

" ہاں . . . میں خود اپنی زبان سے بغیر کسی جبر و اکراہ کے اپنے جرم کا اعلان کرتا ہوں - میں اعلان کرتا ہوں کہ میں زندگی بھر اُن تمام قوانین کی بیخ کنی کرتا رہا ہوں جو وحشیانہ ہیں - میں ہمیشہ اِس بوڑھے قانون کا دشمن رہا ہوں جو کہتا ہے " آنکھہ کے بدلے آنکھہ اور دانت کے بدلے دانت " محترم جج اور جیوری ! میں آپکے سامنے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ بھی زندگی بھر ایسے تمام قوانین سے جنگ کرتا رہونگا - میں ایک مصنف کی حیثیت سے عمر بھر اپنے قلم سے اُنکی مخالفت کرونگا ' اور ایک مقنن کی حیثیت سے اپنی آواز ہمیشہ اُنکے برخلاف بلند رکھونگا -

" اے حضرات ! میں اعلان کرتا ہوں (یہ کہکر مقرر نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر کے طرف اپنے دونوں ہاتھہ پھیلا دیے جو عدالت کے کمرے میں آویزاں تھی) اِس ذات کے سامنے جو اِسی قانون قتل کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائی گئی ' جسکے سامنے اِس وقت ہم کھڑے ہیں - یہ مقدس تصویر ہمیں اِس وقت دیکھہ رہی ہے - میں اِس مقدس " قربانی " کے سامنے قسم کے ساتھہ یہ اعلان کرتا ہوں - یہ وہ ہستی تھی جسنے انسانیت کی ابدی تعلیم کی خاطر ' اپنے تئیں جلادوں کے حوالہ کر دیا - انسانی قانون نے اُسے سولی پر لٹکایا ' حالانکہ اُسکا وجود خود " قانون الہی " تھا -

" ہاں میں اِسی تصویر کے روبرو بار بار کہتا ہوں کہ میرے لڑکے نے جو کچھہ لکھا ' وہ صرف اِس وجہ سے لکھا کہ میں نے بچپن ہی سے اُسے اِسکی تلقین کی تھی . . . کیونکہ وہ جب سے میرا جسمانی لڑکا ہے ' اُسی وقت سے میرا روحانی فرزند بھی ہے - کیونکہ وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے باپ کی راہ پر چلے - لیکن بیٹے کا باپ کے طریقے پر چلنا بھی ایک عظیم جرم ہے - واقعی یہ جرم میرے لیے سخت حیرت انگیز ہے !

" حضرات ! میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ الزام واقعی میرے لیے شدید تعجب کا موجب ہے . . . . . . "

تاریخ و عبر

ہندوستان کی تجارت پر مشرق و مغرب کا تصادم

امریکا اور راس امید کے اکتشافات

واسکو دی گاما نے ایک عرب کے ذریعہ کامیابی حاصل کی

مشہور مصری کاتب و محقق احمد زکی پاشا نے اپنے ایک سلسلۂ مضامین میں مندرجۂ بالا عنوانوں پر جو روشنی ڈالی ہے ' وہ نہایت اہم اور دلچسپ ہے - انکی بحث خلاصہ حسب ذیل ہے :

" صلیبی جنگوں نے بہت سی مغربی قوموں کے مقبوضات ' شام میں پیدا کر دیے تھے - ایشیا کے دروازوں پر اِن مقبوضات سے یورپ کو بہت فوائد حاصل ہوئے - تمام مشرق کی مصنوعات حاصل کرنے اور ہندوستان سے تجارت بڑھانے کے بہترین موقع میسر آگئے - صلیبیوں نے کبھی کبھی اِتنی قوت بھی پیدا کرلی تھی کہ خود دمشق اور قاہرہ سے خراج وصول کیا کرتے تھے - (۱) انھوں نے کرک پر قبضہ کر کے حجاز کے راستہ پر تسلط حاصل کرلیا تھا - عقبہ اور طور پر بھی قبضہ جمانے کی کوشش میں تھے ' اور قریب تھا کہ پورے بحر احمر پر چھا جائیں - (۲)

لیکن مشرق قریب کے سلاطین ' عین وقت پر بیدار ہوگئے - اُن میں باہم سخت حسد و منافست تھی - تاہم مشترک خطرے کے سامنے متفق ہوگئے ' اور اسدالدین ' نورالدین ' صلاح الدین ' نجم الدین ' ملکۂ شجرۃ الدر ' ملک الظاہر بیبرس ' منصور قلاؤن ' کی یادگار کوششوں نے مصر اور شام کی سر زمینیں یورپین حملہ آوروں سے پاک کردیں -

(۱) دیکھو ابن فضل اللہ کی مسالک الابصار

(۲) ابن فضل اللہ نے اپنی کتاب " التعریف بالمصطلح الشریف " میں لکھا ہے کہ اہل فرنگ نے کرک میں بحری بیڑے طیار کیے اور انہیں لیکر بحر قلزم میں پہنچے ، تاکہ حجاز پر حملہ آور ہوں اور اپنے دل کا بخار نکالیں - لیکن ایوبی اور عادلی ہمتوں نے اُنہیں پست کرڈالا - صلاح الدین ایوبی نے اُنکے بہت سے آدمی گرفتار کرلیے اور منی بھیجدیے تاکہ جمرۃ العقبہ پر اُسی طرح ذبح کرڈالے جائیں جس طرح قربانی کے جانور ذبح کیے جاتے ہیں - چنانچہ ایسا ہی کیا گیا - (منہ)

مگر اِن کوششوں کے باوجود بھي شہر عکاء صلیبیوں کے قبضہ میں باقي رہا ' اور اُن تمام نقصانوں کي تلافي کرتا رہا جو اُنھیں اپنے مشرقي مقبوضات سے محرومي کي وجہ سے پہنچے تھے - یہ دیکھکر ملک اشرف بن قلاؤوں نے چاہا ' یہ مقام بھي اُن سے واپس لے لیا جاے : چنانچہ اُس نے حملہ کیا اور سنہ ۱۲۹۱ ع میں کامیاب ہو گیا -

عکا کے واقعہ کے بعد مشرق کي فتح کے دروازے ایک مرتبہ پھر مغرب پر بند ہوگئے - لیکن وہ نا امید نہ ہوا ' اور روم کے پاپا اور یورپ کے بادشاہ برابر حملہ کي طیاریاں کرتے رہے - چنانچہ چارلس ہشتم شاہ فرانس نے عزم مصمم کرلیا تھا کہ اپنے جنگي بیڑوں کي قوت سے فلسطین اور مقامات مقدسہ پر قبضہ کرلے - لیکن تجارتي مفاد نے اُس وقت جنگي کارروائیاں کرنے کي اجازت نہیں دي - اور مشرق و مغرب کا تصادم ہوتے ہوتے رک گیا -

عکا کي فتح کے بعد مشرقي تجارت کي باگیں مصر کے ہاتھہ آگئي - اب بحر متوسط کي تجارت پیشہ قوموں کیلیے اِسکے سوا کوئي چارہ نہ تھا کہ اسکندریہ ' دمیاط ' اور بیروت کے بازاروں کا طواف کریں - چنانچہ وینس اور جنیوا وغیرہ کے تاجر اِن بازاروں پر ٹوٹ پڑے - کیونکہ مشرق کي مصنوعات او ہندوستان کي پیداوار حاصل کرنے کا اور کوئي دوسرا راستہ اُنکے سامنے موجود نہ تھا - اُس زمانے میں ہندوستان کے گرم مسالے یورپ میں از حد مقبول تھے اور غذا کا لازمي جزؤ بن گئے تھے - یہ مسالے بھي مصر ھي کے راستے یورپ کو حاصل ہوتے تھے -

اِس تجارتي مرکزیت نے مصر کو دولت و ثروت کا بھي مرکز بنا دیا - بادشاہ اور باشندے مالا مال ہوگئے تھے - تمام یورپ میں قاہرہ " قاہرۂ عظمی " کے نام سے پکارا جاتا تھا !

(راس امید کي دریافت)

تقریباً دو سو برس تک یہي حالت رہي - یہانتک کہ سنہ۹۲۲ھ (۱۵۱۶ع) میں مصر اپني آزادي سے محروم ہو گیا - اُسکي تجارتی مرکزیت کو شاید اب بھي کوئي نقصان نہ پہنچتا لیکن مصیبت یہ ہوئي کہ اُسي زمانے میں پرتگالیوں نے " راس امید " دریافت کرلي اور اس طرح مصر کي سیاسي اور تجارتي ' دونوں اہمیتیں ختم ہوگئیں -

راس امید ' اتفاقیہ طور پر دریافت نہیں ہوا بلکہ ضرورت نے اُسکي طرف رہنمائي کي تھي - یوں کہنا چاہئے کہ ہندوستان کي تجارت اُس کا باعث ہوئي - حقیقت یہ ہے کہ قدیم زمانے سے ہندوستان ' دنیا کي سیاست میں زبردست موثر رہا ہے - اسکي فتح کے لیے دنیا میں بے شمار انقلاب پیدا ہوئے اور بے شمار ملکوں کي آزادیاں پامال ہوئیں - یہي نہیں بلکہ نئي دنیا یعني امریکا کا اکتشاف بھي اِسي ہندوستان کي طمع نے شوق میں ہوا -

عکا سے محروم ہوجانے کے بعد یورپ نے دیکھا کہ مشرق اور ہندوستان کي تجارت کیلیے اب وہ یک قلم مصر کے رحم پر ہے ' اور بلا وجہ مصر کو بے شمار محصول ادا کرتا ہے - چنانچہ عقلاء یورپ نے غور کرنا شروع کیا کہ ہندوستان تک پہنچنے کي کوئي ایسي راہ نکلے جسمیں مصر کا توسط نہ ہو - اِس مشکل کے دو حل اُنکے سامنے آئے : ایک یہ کہ بحر اتلانٹک میں مغرب کي طرف سیدھے چلے جائیں ' یہانتک کہ ہندوستان کے ساحل پر پہنچ جائیں - دوسرے یہ کہ افریقا کا چکر لگا کر ہندوستان پہنچیں -

یہ دونوں نظریے ' پہلے جنیوا میں پھر لشبونہ (پرتگال) میں مشہور ہوئے - لشبونہ سے یہ خیال اسپین پہنچا اور یہ دونوں ملک اُس پر سنجیدگي سے غور کرنے لگے -

(کولمبس کي مہم)

پہلا نظریہ یعني بحر اتلانٹک میں غرباً سفر ' سب سے پہلے جنیوا کے ایک باشندے کولمبس نے پیش کیا - میں کہتا ہوں " سب سے پہلے " حالانکہ اِس سے میري مراد " اہل یورپ میں سب سے پہلے " ہے - کیونکہ یہ ایک تاریخي حقیقت ہے کہ کولمبس سے بہت پہلے اندلس اور مصر کے مسلمان اِس پر غور کرچکے تھے - صرف غور ھي نہیں بلکہ اُسے عمل میں بھي لا چکے تھے ' اگرچہ کامیاب نہ ہوسکے -

میرا فرض ہے کہ یہ تاریخي حقیقت ' جس پر انسان اور زمانے کي ناانصافیوں نے پردے ڈال رکھے ہیں ' روشني میں لے آؤں -

علماء یورپ ہمیں بتاتے ہیں کہ سب سے پہلے کولمبس کو خیال پیدا ہوا کہ بحر اتلانٹک میں غرباً چلنے سے ہندوستان تک پہنچ سکتے ہیں - چنانچہ یہ خیال لے کر وہ لشبونہ گیا اور جان ثاني شاہ پرتگال کے سامنے پیش کیا - لیکن یہ بادشاہ بدنصیب تھا اُس نے کولمبس کي بات نہ مانی بلکہ اُسے مجنوں قرار دیا - کولمبس خفا ہوکر اسپین چلا گیا اور فرڈیننڈ اور ملکۂ ایزابلا کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا - نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نئي دنیا تک پہنچ گیا جس کا نام اُس وقت لوگوں نے " مغربي ہند " (Indes Occiden Tales) (۱) رکھا تھا کیونکہ کولمبس کا ارادہ ' ہندوستان پہنچنے کا تھا - اِسي کي تلاش میں امریکہ نکل آیا - اِسي لیے اُسے ہندوستان ھي سے تعبیر کیا گیا -

لیکن جب کہ کولمبس ' لشبونہ میں یہ خیال لیے ہوئے بحر اتلانٹک کي متلاطم موجوں پر امید کي نظریں ڈال رہا تھا ' تو کیا اُس کے دل میں یہ خیال بھي گزرا تھا کہ اِسي لشبونہ میں کھڑے ہوکر عرب ٹھیک اِسي مقصد بلکہ اِس سے بھي بڑے مقصد سے سمندر پر نظریں ڈال چکے ہیں ؟

کیا کولمبس کو یہ خبر پہنچي تھي کہ اِسي لشبونہ کے مسلمانوں نے اُس سے بہت پہلے ارادہ کیا تھا کہ بحر ظلمات میں تحقیقات کے لیے در آئیں ؟

کولمبس کو شاید معلوم نہ ہوا ہو ' لیکن یہ واقعہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے - لشبونہ کے اُن مسلمانوں میں سے جو " مغربین " کے لقب سے مشہور ہیں ' اُنھہ عم زاد بھائیوں نے کمر ہمت چست کي - جہاز طیار کیے - کئي مہینے کا کھانا پاني جمع کیا ' اور اُس ہوا کے آغاز پر جو اُنھیں مغرب کے کناروں تک لیجا سکتي تھي ' بحر ظلمات میں روانہ ہوگئے - اُن کے سفر کا حال شریف ادریسي نے اپني کتاب " نزھۃ المشتاق في اختراق الافاق " میں لکھا ہے - اھل لشبونہ اپنے اِن " مجنونوں " کو بھولے نہیں بلکہ اُن کي یادگار باقي رکھنے کے لیے اپنے شہر کے ایک محلہ کا نام " درب المغربین " رکھدیا -

(۱) گیارھویں صدي ہجري کے عرب مصنفین کي کتابوں میں بھي امریکا کا نام (الھنود المغربیۃ) لکھا ہے - دیکھو مقدمہ " کتاب العز و المنافع للمجاھدین بالبارود و المدافع " جو مصر کے سلطاني کتب خانے میں محفوظ ہے -

کولمبس کو بیشک یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ امریکا تک پہنچ گیا - لیکن کس طرح پہنچا ؟ کیا اُس کے وہم میں بھی یہ بات موجود تھی کہ بحر ظلمات کے دامنوں میں ایک اور دنیا بھی چھپی ہوئی ہے ؟ اِس کا کوئی ثبوت موجود نہیں - وہ تو ہندوستان کے ارادے سے نکلا تھا اور محض اتفاق سے امریکا پہنچ گیا - لیکن لشبونہ کے مسلمان تو اِسی دنیا کی تحقیق کے لیے نکلے تھے - اُنھیں ہندوستان کی فکر نہ تھی - نہ تجارت و دولت کی طمع تھی - اُن کے سامنے صرف جغرافیائی تحقیقات تھی - ظاہر ہے کہ کولمبس اور اُن کے نقطۂ نظر میں کتنا اختلاف تھا اور دونوں میں کون زیادہ تحسین علم کا مستحق ہے ؟

یہی نہیں بلکہ کولمبس سے ڈیڑھ سو برس پہلے ہی مسلمانوں نے امریکا کا تصور کرلیا تھا - ملک الناصر محمد بن قلاؤن کے عہد میں ایک عالم ' قاہرہ میں موجود تھے - اِن کا نام ابو الثناء محمود بن ابی القاسم الاصفہانی تھا - ابن فضل اللہ العمری اپنی کتاب " مسالک الابصار فی ممالک الامصار" (جلد ۱ صفحہ ۳۱) میں اِن کا یہ قول لکھتے ہیں :

" میں اِسے بعید نہیں سمجھتا کہ زمین کے اِس رخ پر پانی کے ہٹ جانے کی وجہ سے جو خشکی نمودار ہوگئی ہے ' ویسی ہی خشکی زمین کے دوسرے رخ پر بھی موجود ہو - چونکہ یہ مستبعد نہیں ہے ' اِس لیے یہ بھی مستبعد نہیں کہ اُس طرف کی خشکی پر بھی ویسے ہی حیوان و نباتات موجود ہوں ' جیسے ہماری اِس زمین میں موجود ہیں ' یا وہ کسی اور جنس و نوع کے ہوں "

(واسکو ڈی گاما اور راس امید)

ہندوستان تک پہنچنے کے پہلے نظریہ نے امریکا کو ظاہر کیا - اب دوسرا نظریہ ہمارے سامنے آتا ہے - اِس سے مقصود یہ تھا کہ بحر اٹلانٹک میں افریقہ کے گرد گھوم کر ہندوستان کی راہ نکالی جائے -

یہ خیال سب سے پہلے جنوا میں رہنے والے دو بھائیوں : اوگولینو Ogolino اور ویڈینو Vadino کو ہوا - وہ اس مہم پر روانہ بھی ہوگئے مگر کامیاب نہ ہوے اور غرق ہوگئے -

لیکن یہ خیال برابر زندہ رہا اور ہمتیں بڑھاتا رہا - اُس وقت پرتگال کے ملک میں بڑی تجارتی بیداری موجود تھی - پرتگالی ' ہمت و شجاعت میں تمام یورپین قوموں کے آگے تھے - پرتگال کی نازک اندام عورتوں کا بھی اِس حرکت میں بڑا حصہ تھا - اُنھوں نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ اُنھی لوگوں سے شادی کرینگی جو افریقا کے ساحلوں پر اپنی شجاعت و بسالت ثابت کر دینگے - نتیجہ یہ ہوا کہ پرتگالی نوجوان سواحل افریقا پر ٹوٹ پڑے ' اور بتدریج بہت سی بندرگاہوں کے مالک بن گئے - اِن مہموں میں عربوں اور یہودیوں نے اُنکی بڑی مدد کی - یہ لوگ افریقا سے اُس وقت سب سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے - اِنھوں نے پرتگالی بادشاہوں خصوصاً شاہ ہنری کو (جو ملاح کے لقب سے مشہور تھا) اپنی قیمتی معلومات سے آگاہ کیا ' اور اِس طرح افریقا کی تحقیق و فتح میں پرتگالیوں کے رہنما بنے - یہی عرب اور یہودی تھے جنھوں نے پرتگال کو گینیا کی سونے کی کانوں سے آگاہ کیا تھا - غرضکہ سنہ ۱۴۱۳ سے سنہ ۱۴۸٦ تک پرتگالی اپنے مقبوضات ' سواحل افریقا پر پھیلاتے رہے ' یہانتک کہ سنہ ۱۴۸٦ میں پرتگالی امیر البحر جنوبی افریقا کے آخری نقطہ تک پہنچ گیا - یہی وہ مقام ہے جس کا ذکر قطب الدین نہروالی نے اپنی کتاب " البرق الیمانی فی الفتح العثمانیہ" میں اِس طرح کیا ہے " یہ جگہ ساحل کے قریب ایک آبنائے میں واقع ہے - اس کے ایک جانب پہاڑ ہے اور دوسری جانب بحر ظلمات ہے - یہاں سمندر سخت طوفانی حالت میں رہتا ہے - کشتیاں ٹک نہیں سکتیں - ٹوٹ جاتی ہیں "

پرتگالیوں نے اِس مقام کا نام " راس طوفان " رکھا تھا - لیکن جان ثانی شاہ پرتگال نے اس کا نام " راس امید " رکھدیا - کیونکہ اِس کی دریافت نے براہ راست ہندوستان تک پہنچنے کی امید پیدا کردی تھی -

لیکن یہ امید جان کی زندگی میں پوری نہیں ہوئی - اس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا عمانویل ثانی تخت نشین ہوا - اِسنے واسکو ڈی گاما کو سنہ ۱۴۹۷ میں اِس مہم پر روانہ کیا تا کہ ہندوستان کی راہ دریافت کرے - اِس شخص نے سفر شروع کیا - راس امید عبور کرکے سواحل کفرہ میں پہنچا - پھر ممباسہ آیا ' پھر ملندہ میں وارد ہوا - یہیں اِسکی ملاقات حسب تصریح قطب الدین کے (جیسا کہ " برق یمانی " میں مذکور ہے) " ایک بحری آدمی سے ہوئی - اسکا نام احمد بن ماجد تھا - اِسی نے نشہ کی حالت میں واسکو ڈی گاما کو ہندوستان کا سیدھا راستہ بتا دیا - اور اس کے بعد بحر ہند میں پرتگالیوں کی کثرت ہوگئی " لیکن خود پرتگالی مورخ ' احمد بن ماجد کا کوئی ذکر نہیں کرتے - البتہ ایک ایسے آدمی کا وجود ضرور تسلیم کرتے ہیں جو واسکو ڈی گاما کا شریک سفر ہوگیا تھا - اور اُسکا نام وہ " معلم کنہ " Malem Cana بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہندوستان پہنچ کر گجرات میں فوت ہوگیا - بعضوں نے اُسکا نام Malem Canaque لکھا ہے -

بعض پرتگالی مورخ کسی ایسے شخص کا وجود تسلیم نہیں کرتے - اُنکا بیان ہے کہ سلطان ملندہ نے واسکو کے ساتھ اپنے ملک سے دو آدمی کر دیے تھے جو بحر ہند سے بخوبی واقف تھے -

بہرحال یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ راس امید کی دریافت میں عربوں کا بھی حصہ ہے اور راس امید سے ہندوستان تک پہنچنے میں تو سراسر عربوں ہی نے رہنمائی کی تھی -

---

مختارات

(اخبار نویسی)

سلطان عبدالحمید نے معزول ہونے کے بعد کہا " اگر میں یلدز (محل) میں لوٹ سکوں تو اخبار نویسوں کو ایک ہی قید خانہ میں بند کردونگا "

" اِس ملک میں ہر دس آدمیوں میں صرف ایک شخص کو انشا پرداز ہونا چاہیے " (روزولٹ - امریکا)

" اخبار نویس کی صورت دیکھر شیطانوں کا باوا ' ابلیس ' بھی کانپ جاتا ہے " (ولیم سٹیڈ)

" کیڑے مکوڑوں میں سے اخبار نویس بھی ہے " (ملکۂ اسپین)

" اے قلم تو نہایت خوبصورت ہے لیکن میری سلطنت میں تو شیطان سے بھی بدتر ثابت ہوا ہے " (آخری زار روس)

پرتگال کے معزول بادشاہ " مانویل " نے اخبار نویسوں سے کہا " تمھیں نے مجھے برباد کیا ہے "

جمہوریہ وینزولا (امریکا) کے صدر " کاسترو " کا قول ہے : " اگر جہنم کا پھاٹک بھی میں کھلا دیکھوں تو اُتنا نہ ڈرونگا جتنا اخبار نویس کے قلم سے ڈرتا ہوں "

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم
(۸:۳۰)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کا یہ دوسرا حصہ ہے۔ السلال)

"جوف" سے "حائل" تک اونٹ کی پیٹھ پر دس دن کی مسافت ہے راستہ نہایت ہی اُجاڑ اور بیابانی ہے۔ ہم کبھی ریگ کی بلند پہاڑیوں پر چڑھتے تھے۔ کبھی نشیبی وادیوں میں ہوتے تھے۔ کبھی ایسی بلند پگڈنڈیوں پر چلتے جن کے نیچے ہولناک گہرائیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ راستہ ایسا دشوار گزار اور خطرناک ہے کہ اونٹ کا ذرا قدم ڈگمگا جائے تو ہلاکت یقینی ہے۔ عظیم بلندی پر سے انسان فوراً تحت الثریٰ میں جا پہنچے۔

اس سفر میں پہلے ۶ دن تک کہیں پانی نہیں ملا۔ اگر پانی ہمارے ساتھ مشکوں میں اور اونٹوں کے ساتھ اُنکے پیٹ میں نہ ہوتا تو موت یقینی تھی۔ اس تمام مدت میں غسل کرنا کیا معنی غسل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پانی کا ایک ایک قطرہ خود زندگی کی طرح قیمتی تھا۔

ساتویں دن علی الصباح ہمیں "جبہ" نام ایک آبادی ملی۔ یہاں کے تمام مکان ایسی سفید مٹی سے بنے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ چند شیوخ مجھے پوچھتے ہوئے آئے اور مہمان بننے کی درخواست کی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اُنھیں پہلے ہی خبر پہنچ گئی تھی کہ ایک مصری، شاہ نجد کی ملاقات کے لئے آرہا ہے۔ "لہذا" اُنھوں نے کہا "ہمارا اخلاقی فرض تھا کہ تمھیں اپنا مہمان بناتے"

نویں دن ہم "قنا" میں پہنچ گئے۔ یہ بہت ہی چھوٹا گاؤں ہے۔ حتی کہ یہاں ہمیں کھانے کے لئے ایک بکری بھی مول نہ مل سکی۔ لیکن ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ کیونکہ تھوڑے فاصلہ پر تین گاؤں اور تھے۔ ان میں سب سے بڑا گاؤں "ام جلبان" ہے اور اس کی آبادی صرف ۴۰ گھر ہیں۔ مکانوں کے گرد خرمے کے چند درخت ہیں۔ یہاں کے باشندے حرف قاف کا تلفظ "گاف" کی طرح کرتے ہیں۔

حائل

دسویں دن "حائل" ہمارے سامنے تھا۔ سلطان ابن سعود کے عم زاد بھائی امیر عبدالعزیز بن مساعد بن جلوی، حاکم حائل کا نائب ہمارے استقبال کے لئے شہر کے باہر موجود تھا۔

ہم نے اپنے تمام پچھلے صحرائی سفر میں حائل سے زیادہ آباد کوئی مقام نہیں دیکھا۔ یہ ایک حد تک شہر کا حکم رکھتا ہے۔ آبادی وسیع ہے۔ سڑکیں کشادہ اور منظم ہیں۔ بازار بھی بہت بڑا ہے جس میں اونٹوں اور مویشیوں کی تجارت بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے۔ حائل، مدینہ منورہ سے ۸ دن، شام سے ۱۵ دن، اور عراق سے بھی تقریباً ۱۵ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ تجارت کا ایک مرکزی مقام ہے۔ ہندوستان کے چاول کی یہاں بڑی منڈی ہے۔ اس علاقے کی اصلی غذا یہی چاول ہے۔ ہر قسم کی ترکاریاں، سبزیاں، اور میوے بھی بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ نخلستان بے شمار ہیں۔ لیکن کھجور بدمزہ اور گھٹیا قسم کی ہوتی ہے میں نے عورتوں کو بازار میں روٹی، میوے، ترکاری، مرغی، انڈے بیچتے دیکھا۔ وہ سیاہ کرتے پہنے تھیں۔ اوپر سے سفید چادریں اوڑھے تھیں۔ نہایت باوقار اور سنجیدہ تھیں۔ خریداروں سے ضرورت بھر بولتی تھیں، مگر اس قدر آہستہ کہ کوئی دوسرا آدمی اُن کی آواز نہیں سن سکتا!

یہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ صرف فرانسیسی سکہ، جسے یہ لوگ "شوشی" کہتے ہیں، مستعمل ہے۔ انگریزی یا ترکی سکے نہیں چلتے۔

ایک دن میں حاکم حائل کے نائب کا مہمان رہا۔ دوسرے دن خود حاکم، امیر عبدالعزیز بن مساعد نے مجھے اپنے دار الحکومت میں مدعو کیا اور غیر معمولی خاطر تواضع کی۔ پہلی نظر میں دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ امیر شاید متکبر و مغرور ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ نہایت ہی منکسر مزاج، خوش اخلاق، اور خوش صحبت ہے۔ وہ اپنے اس صوبے میں اور اس کے اطراف کے تمام شمالی علاقوں میں سلطان ابن سعود کے ماتحت مطلق العنان حاکم ہے، اُس کے احکام کے سامنے کوئی روک کھڑی نہیں ہوسکتی۔ لیکن اُس کے احکام کتاب و سنت کے احکام کے ماتحت ہوتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ سے بال بھر تجاوز کرنا اس علاقے میں ایسا جرم ہے کہ اُس کے لئے کوئی معافی نہیں!

حاکم کے پاس دو موٹریں ہیں جن پر وہ اکثر سفر کیا کرتا ہے۔ موٹر چلانے والا ایک شامی عرب ہے۔ دوسرا نجدی ہے۔

حاکم کے ایک مصاحب کے ساتھ میں قیدخانہ دیکھنے گیا۔ مجھے یقین تھا، مجرموں کی بڑی بھیڑ دیکھوں گا۔ مگر قیدخانے میں پہنچکر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ وہاں ایک قیدی بھی موجود نہ تھا۔ صرف محافظ سپاہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ میں نے تعجب سے پوچھا "قیدی کہاں ہیں؟" سپاہیوں نے جواب دیا "جب مجرم ہی نہیں ہیں تو قیدی کہاں سے آئیں!" اسوقت مجھے یقین ہوگیا کہ واقعی احکام شریعت، جرائم کی بیخ کنی کے لئے بہترین قانون ہیں۔ اور یہ کہ نجد کو سے زیادہ احکام شریعت کی پابندی کسی مسلمان قوم میں نہیں ہے۔ حائل جیسی وسیع آبادی کے قیدخانے میں ایک قیدی کا بھی موجود نہ ہونا، یقیناً اس بیسویں صدی میں اعجوبہ کا حکم رکھتا ہے۔

حائل کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے۔ یہاں میٹھے پانی کا ایک چشمہ موجود ہے اور اپنے طبی خواص میں "فیشی" کے معدنی چشمے کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس کا پانی ہر قسم کا نمک پگھلا دیتا ہے۔ گردے کے جملہ امراض کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ خون صاف کرتا ہے اور حیرت انگیز سرعت سے غذا ہضم کر دیتا ہے۔ اس چشمے کا نام "ام السلاح" ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے چشمے ہیں اور سب شیریں اور عمدہ ہیں۔ آب ہوا کی اسی خوبی کا نتیجہ ہے کہ یہاں کے باشندے خوب توانا تندرست ہیں۔

اب سے پہلے حائل، ابن الرشید کی ریاست کا پایۂ تخت تھا۔ یہ ریاست ایک زمانہ میں ریاض کے خاندان سعود کے تابع تھی، پھر کچھ مدت خودمختار رہی۔ اب ایک مرتبہ پھر خاندان سعود کے زیرنگیں آگئی ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

حائل کے باشندے، دراصل قبیلۂ "شمر" کے افراد ہیں۔ یہ قبیلہ صحرا میں بودوباش رکھتا تھا۔ پھر اُس کا ایک بڑا حصہ کٹ کر شہری بن گیا، اور حائل میں آباد ہوگیا۔

حائل میں "اخوان" بکثرت نظر آتے ہیں۔ انھیں یہاں "حبان" کہتے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ سرخ ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ چھوٹے عمامے باندھنے والے معمولی لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ بڑے عمامے والے شیخ ہوتے ہیں۔ نجد میں اس گروہ کو سب سے زیادہ اہمیت و قوت حاصل ہے۔ حائل، احسار، اور حجاز کی فتوحات انہی کے ہاتھوں واقع ہوئی ہیں۔ تمام عرب میں ان کی شجاعت اور پامردی کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ بڑی بڑی فوجوں پر ان کا نام رعب و ہیبت طاری کر دیتا ہے۔ اب سے چند سال پہلے یہ سخت وحشی اور جاہل تھے۔ دین کا کوئی حکم بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن آج ان میں سے ہر شخص شریعت کے تمام عملی احکام کا عالم ہے۔ نجد و حجاز میں اتباع شریعت اور ترک بدع و نواہی کی مبلغ یہی جماعت ہے۔

قصیم

حائل میں ایک ہفتہ سلطان کی مہمانی میں رہ کر ہم نے پھر سفر شروع کر دیا۔ اب منزل مقصود، بریدہ تھی۔ بریدہ، حائل سے ۸ دن کے فاصلہ پر ہے۔ راستہ صاف اور میدانی ہے۔

راستہ میں سب سے پہلی آبادی "عددہ" کی ملی۔ اس گاؤں کا منظر نہایت دلفریب ہے۔ اس کے گرد کھیت ہیں، اور دور دور تک سر بفلک پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑ بہت ہی دلچسپ منظر پیش کرتے ہیں۔ انکے نیچے میدانوں پر سنہری ریگ بچھی ہوئی ہے اور از حد نظر فریب ہے!

راستہ میں ایک قابل ذکر واقعہ پیش آیا۔ ہمارے قافلہ کے ایک مسافر کی اونٹنی رات کو کہیں بھاگ گئی۔ ہر چند تلاش ہوئی مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ عین ناامیدی کے وقت ایک بدو نظر آیا۔ اُس سے پوچھا گیا تو اُس نے کہا "میں نے اس شکل کی اونٹنی فلاں مقام پر دیکھی تھی میں اُسے لاسکتا تھا، مگر اس ڈر سے ہاتھ نہیں لگایا کہ چور نہ سمجھا جاؤں" اس واقعہ سے مجھے اہل نجد کی امانت و دیانت کا اور بھی زیادہ یقین ہوگیا۔ میں جتنی زیادہ جستجو کرتا گیا، مجھے معلوم ہوتا گیا کہ چوری اور قزاقی نجد میں بالکل نامعلوم ہے۔

راستہ میں چار گاؤں اور بھی ملے: کہفہ، جوآرہ، دبال، اور شقہ۔

آخرالذکر گاؤں میں نمک کا پہاڑ ہی اور خود باشندوں کی ملکیت ہی وہ حکومت کو محصول ادا کئے بغیر نمک نکالتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔

بریدہ کے حاکم، مبارک بن مبیرک، کو ہماری آمد کی خبر مل گئی تھی۔ اُسنے آبادی سے باہر آکر سلطان کی طرف سے ہمارا خیر مقدم کیا اور مہمان بنایا۔ یہ حاکم بھی نہایت خوش اخلاق اور متدین ہی۔

بریدہ، ریگ کے میدان میں واقع ہی۔ حائل کی طرح یہاں بھی عمارتیں بکثرت ہیں۔ یہاں بھی زراعت اچھی ہوتی ہی۔ نخلستان بہت ہیں۔ اس کی کھجور اگرچہ چھوٹی ہو مگر پُر مغز اور شیریں ہوتی ہی۔ لیکن اُس میں یہ سخت عیب ہی کہ دیر ہضم ہوتی ہی۔ بریدہ، اس تمام علاقے کا، جسے قصیم کہتے ہیں، پایۂ تخت ہی۔ وسط نجد میں بریدہ سب سے زیادہ متمدن جگہ ہی۔ یہاں شہروں کی طرح سہ منزلہ عمارتیں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ یہاں کے باشندے نجد میں سب سے زیادہ متمدن، دولت مند، چست وچالاک، اور تجارت کے ماہر ہیں۔ یہ لوگ حجاز، شام، مصر، بلکہ ہندوستان تک کے بازاروں سے بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں۔ تجارت نے اُنکے تعلقات، متمدن دنیا سے پیدا کر دئے ہیں۔ وہ بہت ملنسار اور سلیقہ مند ہو گئے ہیں۔ اُن کی زبان بھی غیر نجدیوں کے لئے سہل ہی۔ مجھے اُن کے دسترخوان پر شبہ ہوتا تھا کہ یہ مصر یا شام کا دسترخوان ہی۔ کیونکہ الوان و اقسام کے شہری کھانے موجود ہوتے تھے۔ اسی قدر نہیں بلکہ ان میں مذہبی تعصب بھی بہت کم ہو گیا ہی حتیٰ کہ میں نے اُنھیں خفیہ تمباکو بھی پیتے دیکھا ہی۔ تمباکو کا نام نجد میں "تتن" ہی اور اُس کا رکھنا تک جرم ہی۔ سلطان ابن سعود کی حکومت میں بریدہ کے بہت سے تعلیم یافتہ نوجوان بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہیں۔

بریدہ میں تین دن قیام کرکے ہم نے "ریاض" کا رُخ کیا۔ نجد کے پایۂ تخت تک پہنچنے کے لئے یہاں سے دو راستے ہیں: طریق وادی اور طریق ستوی۔ آخرالذکر زیادہ مختصر ہی۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ فتح حجاز کے بعد سلطان عبدالعزیز پہلی مرتبہ نجد واپس آ رہے ہیں اور جلد ہی ریاض پہنچنے والے ہیں۔ لہذا ہم نے مختصر راستہ اختیار کیا تاکہ سلطان سے پہلے پہنچ جائیں اور اُن کا شاہی استقبال دیکھ سکیں۔

چار دن کے سفر کے بعد ہم ایک گاؤں "ابو شجرہ" میں پہنچے۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ سلطان ۲۶ موٹروں کے جلوس کے ساتھ آج ہی یہاں سے گزرے ہیں۔ راستے میں کوئی قابل ذکر مقام یا واقعہ پیش نہیں آیا۔ اِلّا یہ کہ یہاں کے باشندے ٹڈی کھانے کے بہت دلدادہ ہیں۔ اتنے دلدادہ کہ مجھے حیرت ہو گئی۔ دنیا ٹڈی سے پناہ مانگتی ہی۔ مگر یہ اُس کی آمد کی دعائیں مانگتے ہیں، اُسے بہت مبارک سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ ٹڈی کو خشک کرکے رکھ لیتے ہیں اور دُور دراز ملکوں میں اپنے دوستوں کو بطور قیمتی تحفے کے بھیجتے ہیں۔ چنانچہ مصر میں نجدی تاجروں کے پاس ٹڈیوں کی تھیلیاں آتی رہتی ہیں اور بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں!

ریاض سے پہلے ہمیں کئی آبادیاں ملیں۔ مثلاً: تنجرہ، برہ، درعیہ وغیرہ۔ درعیہ، نجد کا تاریخی شہر ہی۔ یہیں سے خاندان سعود نے ظہور کیا۔ یہی نجد کا قدیم پایۂ تخت ہی۔ یہی وہابیت کا اولین مرکز ہی۔ یہیں نجدیوں اور ابراہیم پاشا مصری کی فوجوں میں زبردست جنگ ہوئی تھی۔ شہر کے کھنڈروں میں اب تک مصری توپوں کے نشان موجود ہیں۔ درعیہ سے متصل ایک گاؤں "عیینہ" ہی۔ یہ بھی بہت تاریخی اہمیت رکھتا ہی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہیں سے مسیلمہ کذاب نے خروج کیا تھا۔

آٹھویں دن ہم ریاض پہنچ گئے۔ شہر خوب آراستہ تھا۔ ہر طرف مسرت کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ تمام نجد سے مبارکباد دینے کے لئے وفد آئے ہوئے تھے۔ کیونکہ سلطان نجد، حجاز فتح کرکے واپس ہوئے تھے۔

سلطان کو ہماری آمد کی اطلاع پہلے سے ہو گئی تھی۔ اُنھوں نے اپنا خاص نمائندہ میرے استقبال کے لئے شہر کے پھاٹک پر بھیجا۔ وہ مجھے اپنے ہمراہ قصر شاہی میں لے گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں سلطان کے حضور پہنچا۔ مگر اُنھوں نے اس طرح میرا خیر مقدم کیا، گویا عمر بھر سے میرے دوست ہیں۔ جب اُنھیں میرے سفر کی غرض معلوم ہوئی تو بہت مسرور ہوئے اور جزیرۃ العرب کے حالات کی تحقیق میں میری ہر طرح امداد کا وعدہ فرمایا۔

سلطان نے نہایت فراخدلی سے میری تواضع کی۔ پورا ایک مکان میرے قیام کے لئے خالی کروا دیا۔ مجھے اجازت دی کہ جب چاہوں اُن کی٭

٭ مجلس میں بے تکلف آسکتا ہوں۔ نیز اپنے افسروں کو حکم دیا کہ معلومات کی جمع و ترتیب میں میری ہر طرح مدد کریں۔

مطبوعاتِ جدیدہ

غدر ۱۸۵۷ء

اور "تصویر کا دوسرا رُخ"

(۲)

بلیک ہول اور عید کی قربانی

کوپر جو اِن دنوں امرتسر کا ڈپٹی کمشنر تھا، اپنی کتاب "فسادات پنجاب" میں لکھتا ہی: "۲۶ نمبر پلٹن نے ۳۰ جولائی کو لاہور میں بغاوت کرکے اپنے کمان افسر کو قتل کیا تھا۔ اس کی پاداش میں تمام سپاہی تہ تیغ کر دئے گئے"!

۱۳ مئی کو ۲۸۰۰ ہندوستانی سپاہیوں سے احتیاطاً اسلحہ لے لئے گئے تھے، تقریباً تین ماہ تک ان پر سکھ اور انگریز پہرا دیتے رہے۔ ۳۰ جولائی کو سخت طوفان باد آیا۔ اور قیدیوں میں غیر معمولی جوش و خروش پایا گیا۔ اس اثنا میں ایک سپاہی تلوار لے کر باہر آیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا۔ آؤ انگریزوں کو قتل کر دیں۔ چنانچہ اس نے جاتے ہی کمان افسر کو قتل کر دیا۔ اور تمام فوج طوفان کی اوٹ میں بھاگ نکلی۔ اِن میں سے سیکڑوں سپاہی سکھوں اور انگریزوں کی گولہ باری سے مارے گئے تھے۔ باقی ماندہ سپاہیوں نے دریائے راوی عبور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن پولیس نے مزاحمت کی۔ کوپر امرتسر سے اُن کے تعاقب میں آیا۔ اُسنے اپنی کتاب میں اِن سپاہیوں کی حالت بیان کی ہی، "دیہات کے لوگ دریا کے کنارے باغیوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ اِن میں سے ایک سو ۵۰ آدمیوں کو انھوں نے قتل کر دیا اور سیکڑوں کو دریا میں دھکیل دیا۔ چونکہ وہ ۴۰ میل سفر کرکے آئے تھے۔ اس لئے سخت تھکے ہوئے تھے۔ اور دریا کے پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ناچار ڈوب گئے۔ باغیوں کی ایک خاصی تعداد دریا عبور کرکے ایک جنگل میں چھپ گئی تھی۔ کوپر نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دریا کو کشتیوں کے ذریعے عبور کیا۔ باغیوں کو خیال ہوا، اُن کا کورٹ مارشل کیا جائے گا اور وہ بغیر کسی مزاحمت کے گرفتار کر لئے گئے۔ پھر انھیں پولیس اسٹیشن کے ایک کمرہ میں بند کیا گیا۔ دوسرے روز سکھ دستے لے آئے۔ کوپر کے ہمراہیوں میں مسلمانوں کی بھی کچھ تعداد تھی۔ چونکہ اسے شک تھا کہ شاید وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کریں۔ اس لئے اُنھیں رخصت دے دی گئی تاکہ امرتسر میں جاکر عید الضحیٰ منائیں۔ عید الضحیٰ قربانی کا تیوہار ہوتا ہی۔ کوپر بھی ایک خاص قسم کی قربانی کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے پولیس اسٹیشن کے قریب ہی ایک خشک کنواں مل گیا۔ دس دس قیدیوں کو اکٹھا باندھا گیا اور باری باری باہر لاکر گولیوں کی بوچھاڑ سے مار دیا گیا۔ جب ۱۵۰ آدمی اس طرح مارے گئے۔ تو فائر کرنے والوں میں سے ایک بوڑھا آدمی بے ہوش ہو گیا۔ اس لئے مارنے والی جماعت کو کچھ عرصہ کے لئے آرام دیا گیا۔ پھر دوبارہ اسی طریقے سے قیدی مارے گئے۔ حتیٰ کہ مقتولین کی تعداد ۲۳۷ تک پہنچ گئی۔ اتنے میں افسر کو معلوم ہوا کہ بقیہ باغی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلنا چاہتے۔ جب دروازہ کھولا گیا۔ تو اتفاقاً بلیک ہول والے حادثے کا نقشہ سامنے موجود تھا، ۴۵ آدمی خوف، گرمی اور سانس بند ہونے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر چکے تھے۔ ان تمام باغیوں کی لاشیں اُسی کنوئیں میں پھینک دی گئیں اور اوپر سے مٹی ڈال دی گئی۔ اس حادثہ کی تمام تر ذمہ داری کوپر پر عائد ہوتی ہی۔ جسنے تن تنہا سکھ فوج کی مدد سے بے شمار مسلمانوں کو ظالمانہ طریقے سے تباہ کیا، اسمیں شک نہیں۔ کہ بعد میں اس کی حرکت پر بڑی لعن طعن کی گئی۔ لیکن محض زبانی لعن طعن سے کیا ہوتا ہی؟ لارنس نے جو پنجاب کا گورنر (چیف کمشنر) تھا ایک خط میں اُس کی بڑی تعریف کی ہی، وہ لکھتا ہی:

"میں تم کو تمھاری کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ تم نے اور تمھاری پولیس نے بڑی جانبازی دکھلائی۔ گورنمنٹ تمھاری بہت مشکور ہی۔ میں امید کرتا ہوں کہ اِن باغیوں کا انجام دوسرے آدمیوں کے لئے کافی تنبیہ ہوگی۔ جو باغی اِدھر اُدھر منڈلا رہے ہیں اُنھیں پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے"۔ لارنس ۲ اگست ۱۸۵۷ء لاہور"

لارنس کے بعد منٹگمری[۱] پنجاب کا لفٹنٹ گورنر مقرر ہوا۔ اُسنے بھی اسی واقعہ کے متعلق کوپر کو خط لکھا۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہی "جو کچھ تم نے کیا۔ بہت اچھا کیا۔ اس نازک وقت میں کسی حیلہ و حجت کی ضرورت نہ تھی۔ جب تک تم زندہ رہوگے، یہ تمھارے واسطے

[۱] یہ واقعہ اگر زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو تو سر جان لارنس کی سوانح عمری جلد دوم میں دیکھا جائے (الہلال)

عنوان شرف ہوگا۔ بقایا تین پلٹنوں میں بھی کچھ گڑبڑ ہی۔ لیکن مجھے یقین ہی وہ بغاوت نہیں کریں گے۔ میری خواہش ہی، کہ وہ بھی منحرف ہوجائیں۔ تاکہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے۔ منٹگمری"

منٹگمری عیسائیت کی تبلیغ میں نمایاں حصّہ لیا کرتا تھا۔ اس مذہب کی ضرب المثل نرم مزاجی اور حلم و بخشش کا سخت مدّاح تھا، لیکن آپنے بھی ایسے ظالمانہ فعل کی تائید کی۔ اس کے بعد اسنے ہاڈسن کو ایک چٹھی لکھی یہ وہ شخص تھا۔ جسنے بہادر شاہ کے لڑکوں کو سخت بیرحمی سے قتل کیا تھا۔ انگریز مورخین میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا۔ جسنے ہاڈسن کے اس فعل کی مذمت نہ کی ہو۔ لیکن منٹگمری اسے لکھتا ہی:

"میرے پیارے ہاڈسن۔

میں تمھیں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے بادشاہ کو گرفتار کرلیا اور اس کے بیٹوں کو قتل کر دیا۔ میں امید کرتا ہوں تم اسی طرح اور شاہزادے بھی قتل کروگے۔ منٹگمری"

ایک آدمی اتنا مجروح تھا کہ وہ مقتل پر جانے کے قابل نہ تھا۔ منٹگمری کی ہدایت کے مطابق اسے سرکاری گواہ بنایا گیا۔ چنانچہ کوپر کو مفصلہ ذیل خط لکھا ہی "مجروح مذکور کو لاہور بھیجدیا جائے، تاکہ وہ خود اپنی زبان سے امرتسر کے واقعات بیان کرے۔ بغیر اس کے کوئی شخص اعتبار نہیں کرے گا، ۲۶ پلٹن کے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے جو آوارہ پھر رہے ہونگے۔ ان سب کو گرفتار کرکے ہماری طرف بھیجدو۔ تم کافی تعداد میں قتل کرچکے ہو، اب ہمیں اپنی فوجوں کے لئے کچھ آدمی چاہئیں"

ایک کے بدلے ۵۰۰

اس مجروح قیدی اور ۴۲ آدمیوں کو لاہور بھیجدیا گیا۔ جہاں وہ بے دریغ قتل کردئے گئے۔ کوپر خود اقبال کرتا ہی کہ کمان افسر کے قتل کے بعد دو دن کے اندر، اس کے بدلے ۵۰۰ آدمیوں کا خون بہایا گیا۔

کانپور میں ایک کنواں ہی۔ جہاں چند انگریزوں کو قتل کرکے پھینک دیا گیا تھا۔ لیکن اجنالہ میں بھی ایک کنواں ہی۔ جہاں سیکڑوں ہندوستانی قتل کرکے پھینک دئے گئے۔

رسل اپنی ڈائری میں لکھتا ہی "ایک افسر نے جو رینالڈ کی فوج کے ساتھ مقرر تھا۔ مجھ سے ذکر کیا کہ ہندوستانیوں کو اندھا دھند قتل کیا جاتا تھا، دو دن کے عرصے میں ۴۲ آدمیوں کو سڑک کے کنارے پھانسی دی گئی۔ مقتولین میں وہ لوگ تھے جو پلٹن کو اس کی راہ میں مل جاتے تھے ۱۲۔ آدمیوں کو محض اسوجہ سے پھانسی دی گئی کہ جب پلٹن کوچ کر رہی تھی تو ان کے منہ سڑک کی طرف نہ تھے۔ دوسری طرف دیکھ رہے تھے! جو گاؤں راہ میں آتا تھا، جلا دیا جاتا تھا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ یہ افسوسناک واقعات کانپور کے حادثہ سے بہت پہلے ہوئے تھے۔ اگر ہندوستانیوں کا یہ قتل عام کانپور کے واقعہ کے بعد ظہور پذیر ہوتا تو پھر بھی ہم لوگ شاید حق بجانب ہوتے۔ افسر مذکور نے ان مظالم کے روکنے کی کوشش کی اور رینالڈ سے کہا کہ اگر یہی حالت رہی تو لوگ دیہات خالی کرکے بھاگ جائیں گے اور فوج کے لئے خورد و نوش کا سامان ملنے میں سخت دقت واقع ہوگی۔ بالآخر یہی ہوا۔ جہاں کہیں فوج جاتی تھی دیہات بالکل ویران ہوجاتے تھے۔ لوگ غلہ دینے سے گھبراتے کیونکہ انھیں علم تھا کہ اگر انھوں نے یہ نیک کام کیا تو پھر بھی انھیں پھانسی ضرور دی جائے گی"

ایک پادری لکھتا ہی "انگریز ہندوستانیوں سے اس قدر نفرت کرتے ہیں۔ کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ انکے ملازم بھی جو عام طور پر غدر کے زمانہ میں وفادار رہے تھے، ان کی بدسلوکی اور بے رحمی سے نہ بچ سکے۔ لیکن حیرانی کی بات یہ ہی کہ پھر بھی انکی وفاداری اور نمک حلالی میں فرق نہ آیا۔ بہت سے ڈولی بردار اور سائیس جو ہماری نوکری میں زخمی ہوئے تھے، زمین پر پڑے سسک رہے تھے مگر کسی نے علاج معالجہ کی مطلق پرواہ نہ کی۔ وہ دن کے وقت دھوپ میں پڑے رہتے۔ رات کے وقت سردی میں۔ جب دہلی کے باشندوں کا قتل عام ہوا، تو ان میں بہت سے ایسے آدمی تھے جو ہماری کامیابی پر خوش تھے۔ اور ہماری فتح یابی کے لئے دعائیں مانگتے تھے لیکن اُن کی بھی دعائیں انکے واسطے مہلک ثابت ہوئیں۔ بعض نوجوان انگریز تو ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے ہوگئے تھے۔ وہ علانیہ طور پر کہتے تھے "تمام خدمت گاروں اور باورچیوں کو جو کیمپ میں ہیں تہ تیغ کردیا جائے" یہ وہ ملازم تھے۔ جنھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہماری خدمت کی تھی"

ولسنٹ سمتھ نے بھی اپنی تاریخ ہند میں تسلیم کیا ہی کہ بہت سے ہندوستانیوں نے ہماری جان بچانے کی خاطر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

کے (Kaye) اپنی کتاب میں قتل عام سے پیشتر کے واقعات یوں لکھتا ہی:

"مارشل لا کو جاری ہوئے عرصہ ہوگیا ہی۔ وہ ظالمانہ قانون جو مئی اور جون میں مجلس مقننہ نے پاس کئے تھے، بڑی شدت سے اپنا کام کررہے تھے۔ فوجی اور سول افسر ہندوستانیوں کو بلا تمیز قتل کررہے تھے۔ گورنر جنرل نے جو خط و کتابت پارلیمنٹ سے اُن دنوں کی تھی، اس میں درج ہی کہ بے گناہ بوڑھوں، عورتوں، اور بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ دیہات جلائے جاتے تھے۔ ان کے باشندوں کو بھی آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ انگریز فخریہ طور پر کہا کرتے تھے "ہم نے کوئی آدمی بھی قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا"!

واقعات قبل از حادثہ کانپور

ایک دفعہ چند چھوٹے لڑکے محض شرارتاً، باغیوں کا سا لباس پہنکر ڈھول بجانے لگے۔ انھیں گرفتار کرکے مقدمہ چلایا گیا اور فوجی عدالت نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ ایک انگریز افسر جو کورٹ مارشل کا رکن تھا، روتا ہوا کمان افسر کے پاس گیا۔ اور ان کی جان بخشی کی سفارش کی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی، اور ان معصوم بچوں کو پھانسی دے دی گئی۔

دیہات میں انگریزوں کی جماعتیں چکر لگاتی تھیں، جو کوئی ملتا تھا اُسے کسی درخت پر لٹکا کر پھانسی دے دی جاتی تھی۔

پٹنہ میں مسٹر ٹیلر کمشنر کا گواہ بنانے کا عجیب طریقہ تھا۔ اسنے ایک قیدی سے کہا اگر تم مجھے تین ایسے آدمیوں کے نام بتادو جو واجب القتل ہوں تو میں تمھاری جان بخش دوں گا۔ لیکن اسنے ایسے آدمیوں کے نام لئے جن کے نام سے وہ خود بھی واقف تھا، اس لئے قیدی قتل کیا گیا!

آگرہ اور سہارنپور میں بھی پھانسی کا رواج بڑے زور روں پر تھا دیہاتی لوگ گروہ در گروہ گرفتار کرکے لائے جاتے تھے۔ ان میں بہت تھوڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی، جنھوں نے بغاوت میں حصّہ لیا ہوگا لیکن تمام قیدی فی الفور بغیر کسی تحقیقات کے قتل کردئے جاتے تھے!

دہلی ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو فتح کی گئی۔ مسز کوپلینڈ بیان کرتی ہی کہ ایک ہفتے کے اندر کمان افسر نے چار پانچسو آدمی بے دریغ کر ڈالے۔ گورے سپاہی ان خوفناک مناظر میں نہایت دلچسپی لیتے تھے۔ نواب جھجر کو بھی انہی دنوں میں پھانسی دی گئی، لوگ کہتے ہیں کہ اسنے بڑی دیر کے بعد جان دی۔

ایک دفعہ ایک جوہری مسز گارسٹن کے پاس سامان بیچنے کے لئے آیا۔ مسز گارسٹن نے کہا تم بہت زیادہ قیمت مانگتے ہو، میں ابھی تمھیں مٹکاف صاحب کے حوالے کردوں گی۔ وہ اس نام سے ایسا مرعوب ہوا کہ سامان وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا، اور پھر واپس نہ آیا۔ مٹکاف سے ہندوستانی سخت ڈرتے تھے۔ کیونکہ "جو کوئی اس کی گرفت میں آتا ہی، وہ اسے قتل کردیتا ہی"

کورٹ مارشل کسی پر رحم نہیں کرتی تھی۔ جو کوئی گرفتار ہوتا تھا ضرور ہی قتل کردیا جاتا تھا۔ شہر کے چوک میں ایک بڑی پھانسی کھڑی کی گئی تھی۔ ۵، ۶ آدمی ہر روز پھانسی دئے جاتے تھے۔ انگریز فخر بڑی متانت سے پاس بیٹھ کر یہ مناظر دیکھا کرتے۔!

گورنر جنرل نے ۲۴ دسمبر ۱۸۵۷ء کو جولائی کے واقعات کے متعلق ایک مفصل رپورٹ لکھی تھی۔ ذیل میں اس کا اقتباس دیا جاتا ہی۔

"اس زمانہ میں لوگ بلا امتیاز پھانسی دئے گئے۔ ان میں ایسے آدمی بھی تھے۔ جن کے برخلاف محض شک تھا۔ سیکڑوں دیہات لوٹے گئے، اور بعد ازاں جلا دئے گئے۔ ان خوفناک حرکات سے وہ قومیں بھی سخت ناراض ہوگئیں۔ جو حکومت کی وفادار تھیں۔ شمالی ہند میں قحط پڑ گیا۔ کیونکہ ایسی اندھیر نگری میں باقاعدہ کاشت کاری کرنا ناممکن تھا، جو سپاہی رخصت پر گھر آئے تھے یا جو پلٹنوں کے ٹوٹ جانے کے بعد اپنے گھروں کو واپس جارہے تھے اور جنہوں نے بغاوت میں مطلقاً کوئی حصّہ نہیں لیا تھا۔ بلکہ انگریزوں کی جان بچانے میں مدد کی تھی، ان سب کے ساتھ انگریزی فوجیں وہی سلوک کرتی تھیں جو باغیوں سے کیا جاتا تھا۔ گورنمنٹ کے ماتحت افسروں کی ان افسوسناک حرکات سے ملک میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ گورنمنٹ ہندوؤں اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر اب تل گئی ہی"

تجڈی لکھتا ہی "گورنمنٹ محض پھانسی اور قتل عام کی وجہ سے چل رہی تھی۔ جب لکھنؤ فتح کیا گیا تو بے شمار آدمی پھانسی پر چڑھا دئے گئے۔ اُس وقت یہ تمیز نہیں کی جاتی تھی کہ آیا قیدی سپاہی ہی یا اودھ کا کسان ہی؟ صرف اتنی بات کافی تھی کہ چمڑا سیاہ ہو۔"

آرٹن نے بمبئی ٹیلیگراف میں ایک مراسلہ بھیجا تھا جس کا مضمون یہ ہی۔ "جب ہماری فوج دہلی میں داخل ہوئی۔ تو جو آدمی فصیل کے اندر ملا، اسی جگہ سنگینوں سے مار دیا گیا۔ مقتولین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ کئی گھروں میں سے ۴۰۔ ۴۰۔ ۵۰۔ ۵۰ آدمی پکڑے گئے، یہ لوگ باغی نہیں تھے۔ شہر کے باشندے تھے۔ انہیں کامل اُمید تھی کہ اُنھیں معاف کردیا جائے گا، لیکن وہ سخت مایوس ہوئے"

ہومز اپنی تاریخ میں لکھتا ہی "بے گناہ آدمی مارے جاتے تھے وہ جان بخشی کے لئے ہاتھ جوڑتے تھے۔ بوڑھے آدمی جو خوف اور عمر کی وجہ سے کانپتے تھے، گاجر مولی کی طرح کاٹے جاتے تھے لیکن انگریزوں کو بھی کافی اشتعال دلایا گیا تھا۔ کیونکہ انکے چند آدمی شہر کی گلی کوچوں میں مارے گئے تھے"

یہی مصنف بیان کرتا ہی کہ جونہی ہم دہلی میں داخل ہوئے۔ لوٹ مار شروع ہوگئی۔ جو ہندوستانی ملتا تھا گولی سے مار دیا جاتا تھا۔ شراب خانے اور دیگر دکانیں لوٹ لی گئیں اور انگریزوں نے شراب پی کر جہاں کہیں ہندوستانیوں کا مجمع دیکھا، ان پر ٹوٹ پڑے۔ ایسی حالت میں بیچارے باشندے کیا کرتے؟ کیا وہ انگریز سپاہیوں کو پکڑ کے کمان افسر کے پاس لے جاتے؟ لیکن وہاں تو یہ حال تھا کہ کمان افسر سے لیکر معمولی سپاہی تک، سب ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے تھے"

مسٹر مارٹن جو ٹائمز کا نامہ نگار تھا، ۱۶ نومبر ۱۸۵۷ء کو لکھتا ہی "کل میں اور ایک افسر مع ۲۰ سپاہیوں کے شہر میں چکر لگا رہے تھے۔ ہم نے ۱۴ مقتول عورتیں دیکھیں۔ جن کے گلے انکے شوہروں نے کاٹ ڈالے تھے، اور انکے اوپر چادریں ڈھانپ دی تھیں۔ ہم نے ایک آدمی

سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اُسنے کہا انکے خاوندوں نے اسواسطے قتل کردیا ہے کہ مبادا یہ عورتیں انگریزوں کے قابو میں آجائیں۔ کیونکہ وہ یہ بے عزتی برداشت نہیں کرسکتے۔ پھر اُسی آدمی نے انکے شوہروں کی لاشیں دکھائیں۔ جنھوں نے اس فعل کے بعد اپنے آپ کو قتل کردیا تھا۔ اس شہر نے نادر شاہ کے قتل عام کے بعد ایسے خوفناک مناظر کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جبدن دہلی فتح ہوئی، وہ لوگ جو ہمارے خلاف لڑرہے تھے، شہر سے نکلکر بھاگ گئے تھے۔ صرف وہ لوگ رہ گئے تھے جنھوں نے بغاوت میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ بلا امتیاز قتل کئے گئے۔

اکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا نے جو ایک اعلیٰ پایہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے، یہ واقعات قطعاً نظر انداز کردئے ہیں۔ اسنے صرف معمولی طور پر ایک مہذب فوج کے داخلۂ شہر کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہی تاریخ نادر شاہ کے قتل عام کی بڑی مہیب تصویر دکھلاتی ہے۔ حالانکہ نادر شاہ کا قتل عام اس غدر کے قتل عام کے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں رکھتا نادر شاہ کا قتل عام صرف چند گھنٹے رہا تھا، اور یہ کئی ہفتوں تک جاری رہا۔

حادثۂ کانپور

بعض انگریز مورخ کہتے ہیں کہ چونکہ باغیوں نے کانپور میں انگریزوں پر ظلم ڈھائے تھے، اس لئے وہ انتقام لینے میں حق بجانب تھے۔ میں ذیل میں کانپور کے حادثہ کے متعلق چند واقعات درج کرتا ہوں۔ آپ ناظرین خود اندازہ لگالیں گے کہ صورت حال کیا تھی۔

سر جارج فارسٹ نے اپنی کتاب "ہندوستانی بغاوت" میں لکھا ہے۔ "یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ ان سپاہیوں نے جو انگریز قیدیوں کی حراست پر مامور تھے، اُنھیں قتل کرنے سے انکار کردیا تھا، یہ ظالمانہ فعل نانا کے ۵ بدمعاش ہمراہیوں میں سے ایک کنجرے کی ایما سے سرزد ہوا تھا۔ اس فعل کی ذمہ داری کسی صورت میں بھی تمام ہندوستانی قوم پر عائد نہیں ہوسکتی۔ جب کوئی انگریز کسی تاریخ میں پڑھتا ہے کہ مسز جینز یا مسز جیننگز کو کسی ہندوستانی نے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔ تو اس کے غصے کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ لیکن دوسری طرف یہ امر بھی مسلمہ ہے۔ کہ سیکڑوں عورتیں اور بچے انگریزی فوجوں کی بدولت اس جہانِ فانی سے کوچ کرگئے۔ اگر ہمیں ایک انگریز لیڈی کے خوفناک انجام سے ہمدردی ہے، تو ہمیں یہ بھول نہ جانا چاہیے کہ ہندوستان کے باشندے بھی آخر انسان تھے۔ کانپور کے کنوئیں کا حادثہ کوئی آدمی پسند نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسوقت ہیولاک باغیوں کو شکست دے کر کانپور کی طرف بڑھ رہا تھا، اور باغیوں نے جب ہمارے قتل وسلب کی شہرت سُنی تو انھوں نے بھی اشتعال میں آکر قیدیوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا۔ جیسا کہ اُنکے بھائیوں اور بہنوں سے ہورہا تھا"

اِن دنوں یہ عام افواہ ہمارے لوگوں نے مشہور کررکھی تھی کہ ہندوستانیوں نے انگریز عورتوں کی عصمت دری کی اور پھر اُنھیں قتل کردیا، سر جارج کیمبل اِن تمام روایات کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں اور تمام مشہور مورخ اُن کی تائید کرتے ہیں،

(مترجمہ محمد علی وکیل ایبٹ آباد)

مراسلات

ایک جواب طلب مراسلہ

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزائے قتل

مندرجۂ ذیل مراسلت پنجاب کے ایک ہندو دوست کی ہے جو وہاں کی ایک مذہبی انجمن کے عہدہ دار بھی ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں اُنھوں نے مجھ سے خط وکتابت کی تھی اور اپنی طبیعت کی مذہبی بے اطمینانی اور جستجوئے حق وحقیقت کا شوق ظاہر کیا تھا۔ جب کبھی کوئی آدمی اس بارے میں مجھ سے مشورہ کرتا ہے، تو میں ہمیشہ اُسے تقلیدی بندشوں سے آزاد ہونے اور مذاہب کے آزادانہ مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں۔ یہی مشورہ میں نے انھیں بھی دیا۔ اس پر اُنھوں نے بہت سے سوالات لکھ کر بھیجے جن میں سے بعض سوالات کا تعلق اُن شکوک سے تھا جو نفسِ مذہب اور اُس کی ضرورت سے تعلق رکھتے تھے، اور بعض کا تعلق مسیحیت اور اسلام سے تھا چونکہ خط وکتابت کے ذریعہ اس طرح کے معاملات انجام نہیں پاسکتے، اس لئے میں نے اُنھیں لکھا کہ چند دنوں کے لئے کلکتہ آجائیں اور میرے پاس ٹھیریں۔ وہ آئے اور کچھ عرصہ تک یہاں مقیم رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ بہت حد تک اُن کی طبیعت تقلیدی بندشوں سے آزاد ہوچکی ہے، اور آزادی فکر کے ساتھ مسائل کے مطالعہ کی استعداد رکھتے ہیں۔ وہ جب واپس جانے لگے تو اُنھوں نے اعتراف کیا کہ اُن کی طبیعت کا دو تہائی اضطراب دُور ہوچکا ہے۔

اس کے بعد وقتاً فوقتاً وہ مجھ سے خط وکتابت کرتے رہے۔ گزشتہ دسمبر میں گوہاٹی کانگرس کے موقعہ پر پھر کلکتہ آئے اور مجھ سے ملے، اور میں نے اُن کی قلبی حالت سابق سے زیادہ ترقی یافتہ پائی۔

اس ہفتہ اُن کی یہ تحریر میرے نام آئی ہے۔ ضرورت نہ تھی کہ اسے الہلال میں درج کیا جاتا۔ میں حسبِ معمول اسکا جواب اُنھیں بھیج دیتا، لیکن تحریر کے آخر میں اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے، اور اس سے اُن کی طبیعت کے جن تاثرات کا پتہ چلتا ہے، اُن کے ازالہ کے لئے ضروری ہوگیا کہ یہ خط الہلال میں درج کردیا جائے، اور الہلال ہی کے ذریعہ جواب دیا جائے۔ اس ہفتہ یہ شائع کردیا جاتا ہے، لیکن جواب آیندہ ہفتہ لکھ سکوں گا، کیونکہ آج یکایک شملہ جانے کا ارادہ کرلینا پڑا۔ اس لئے تحریر کی مہلت نہیں ہے۔ (ابوالکلام)

میں نے اِدہر مدت سے کوئی عریضہ آپ کی خدمت میں اس لئے نہیں بھیجا کہ میں ارادہ کرچکا تھا راولپنڈی کے معاملات نپٹاکر کلکتہ میں حاضری دوں گا۔ لیکن گھر کے جھگڑے ایسے نکل آئے کہ اب تک چھٹکارا نہ ہوسکا اور شاید کچھ دنوں اور اسی طرح نکل جائیں۔ میں اب بھی یہ خط لکھ کر جناب کے اوقات میں خلل نہیں ڈالتا اور ساری باتیں اپنی حاضری پر اُٹھا رکھتا، لیکن اس طرف ایک معاملہ نے میرے خیالات میں نہایت پریشانی پیدا کردی ہے اور میں اسکو زیادہ دیر تک روک نہیں سکتا۔ مجھ کو یقین ہے کہ وہ معاملہ میرے ہی لئے نہیں بلکہ مجھ سے زیادہ ہزاروں انسانوں کے لئے بے دلی اور پریشانی کا سبب بن رہا ہوگا اس لئے مجبوراً یہ عریضہ لکھ کر جناب کا تھوڑا سا وقت ضائع کرنا چاہتا ہوں۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ آپ اس عریضہ کا جواب، یا اسے چھوڑکر بطور خود اس معالمہ میں اپنی رائے اخبارات کے صفحوں پر شائع کردیتے یا الہلال ہی میں ارقام فرماتے لیکن اگر پبلک میں اُس کی اشاعت خلاف مصلحت ہو تو کم سے کم میرے دل کا اضطراب تو دُور کردیں۔

جناب پر ایک مدت سے میرے دل کا حال پوری طرح روشن ہے۔ میں ہر طرح کے مذہبی اور کمیونل تعصبات سے الگ ہوکر مذاہب عالم میں سچائی اور حقیقت کا متلاشی ہوں، اور مجھے آپکی ذات مبارک سے اس بارے میں وقتاً فوقتاً جو مدد ملی ہے، اس کے لئے مدة العمر میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔ آپ نے میری آنکھوں پر سے کج فہمی کے بہت سے پردے ہٹادئے، اور میرے دل کو جو بیزار مذاہب کی حالت دیکھ کر مذہب کی طرف ہی سے برگشتہ ہوگیا تھا، پھر مذہب کی صداقتوں کی راہ پر لگا دیا۔ خصوصاً مذہب اسلام اور اُس کے بانی کی تعلیم کی جو حقیقت آپنے مجھ پر روشن کردی وہ ایسی ہے کہ میرے خیال میں کوئی انسان بھی جو انصاف اور حق پرستی سے بالکل محروم نہ ہوگیا ہو اُس کی طرف بے اختیار کھنچے ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کم سے کم وہ اُس کی عزت اور احترام کرنے سے تو کبھی انکار نہیں کرے گا۔

. . . .

آپ کو معلوم ہے کہ میں دو برس سے بالکل ایک دوسری ہی نگاہ سے مذہبی صداقت کا مطالعہ کررہا ہوں، لیکن مجھے معاف کیجئے گا۔ ایک بہت بڑی مشکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہے کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ جو ظاہر کرتے ہیں، وہ جب دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈھی جاتی ہے، تو صرف یہی نہیں کہ نہیں ملتی بلکہ برخلاف اس کے ایسی ایسی باتیں سامنے آجاتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ابھی حال میں پمفلٹ "رنگیلا رسول" پر جو ایجی ٹیشن شروع کیا گیا اور جو جو باتیں بڑے بڑے مسلمان لیڈروں اور مولانا

صاحبان نے جلسوں اور اخباروں میں ظاہر فرمائیں، میری بے ادبی معاف فرمائی جائے اگر میں عرض کروں کہ اسے دیکھ کر میرا جیسا غیر جانبدار آدمی بھی اسلام کے متعلق اپنے خیالات پر قائم نہیں رہ سکا۔ اور جن لوگوں کے دل و دماغ پہلے ہی سے شک اور شبہات سے بھرے ہوئے ہونگے اور ہزاروں لاکھوں غیر مسلم ایسے ہی ہیں، اُن کے خیالات جیسے کچھ ہوگئے ہونگے، اُس کا آپ اندازہ فرمالیجئے۔ اگر فی الحقیقت اسلام کی تعلیم اپنے ماننے والوں کے لئے ایسی ہی ہے اور اس کے احکام کا یہی حال ہے تو پھر وہ تعلیمات شبہ سے خالی نہیں ہیں جو آپ نے میرے دل پر نقش کی ہیں، اور اگر حقیقت حال ایسی نہیں ہے، تو یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ ہزاروں لاکھوں آدمی ایک ہی طرح کی بے بنیاد بات پر اکٹھے ہوجائیں اور اس زور شور سے اس کا اعلان کریں اور اس کا رد نہ کیا جائے۔

اس بیہودہ پمفلٹ "رنگیلا رسول" پر مدت سے کیس چل رہا تھا۔ جب یہ چھاپا گیا تھا تو میں نے بھی دیکھا تھا، اور میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اسے پڑھ کر میرے دل پر اس کے سوا کوئی اثر نہیں پڑا کہ اُس کا لکھنے والا سخت حقیر و ذلیل ہوگیا۔ دنیا میں کوئی شریف اور شائستہ انسان خواہ کسی مذہب اور اعتقاد کا ہو لیکن کبھی یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ دنیا کے اُن بانیان مذاہب کا جن کی تعلیمات نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو خدا پرستی کی راہ پر لگایا ہے، گندہ لفظوں میں ذکر کیا جائے، یا اُن کی زندگی کی نامعقول طریق پر ہنسی اُڑائی جائے۔ البتہ ایسے نادان اور جاہل آدمی اس دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ جب مسلمان اخبارات نے اس کے خلاف پروٹسٹ کیا، تو میں نے انہیں بالکل حق بجانب سمجھا۔ مجھے میرے بعض دوستوں نے بتلایا کہ اگرچہ یہ پمفلٹ ہر حال میں قابل اعتراض ہے لیکن یہ خود مسلمانوں کے ایک ایسے ہی گندہ پمفلٹ کے جواب میں لکھا گیا ہے لیکن میں نے کہا اگر کسی مسلمان نے لکھا تھا تو ایک بُرائی کی تھی، اور کسی انسان کے بُرائی کرنے کی وجہ سے دوسرے انسانوں کے لئے بُری بات اچھی نہیں ہو جاسکتی۔

یہاں تک تو یہ بات بالکل ٹھیک تھی، لیکن پھر اس کے بعد جو طریقہ ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک تمام مسلمانوں نے اختیار کیا اور ایک کے بعد ایک جو باتیں کہی گئیں وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ کچھ عجیب طرح کی مذہبی مینٹلٹی ظاہر کرتی ہیں جنھیں کسی طرح بھی کسی ٹھیک راستے پر لیجایا نہیں جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام لیڈروں اور مولانا صاحبان نے اور جمعیت العلما نے جس میں پانچ سو مولوی صاحبان کا ہونا بتلایا گیا ہے، فتویٰ جاری کردیا کہ رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہئے۔ اور یہ کہ شریعت اسلام کا قانون یہی ہے کہ جو نہی کوئی غیر مسلمان حضرت بانیٔ اسلام کے خلاف کوئی بدزبانی کرے، اسے فوراً مار ڈالنا چاہئے۔ مجھے معاف رکھا جائے اگر میں عرض کروں کہ اس بات کے کہنے میں تو کوئی بڑائی کی بات نہیں ہے کہ جب کبھی ہماری بن آئی تھی تو ہم اپنے خلاف ہر زبان دراز آدمی کو مار ڈالتے تھے۔ اگر اسلام کو اس پر فخر ہے تو یہ ایسا فخر نہیں ہے جو صرف اُسی کے حصے میں آیا ہو۔ جس کسی کو دنیا میں طاقت ملی ہے اُس نے لوگوں کو قتل کیا ہے اور تلوار کے زور سے اپنی ہیبت قائم کی ہے۔ اسلام کا فخر تو اس بات میں ہونا چاہئے تھا کہ اُس نے انسان کو سزا دینے کی جگہ بخشا ہے، اور قتل کرنے کی جگہ زندگی بخشی ہے۔ جناب نے مجھے پچھلے سال لکھا تھا کہ اسلام کی اصلی اسپرٹ انسانیت کی اسپرٹ ہے اور یہی فرق اُس میں اور تمام مذاہب میں ہے۔ اُس نے ہر گوشہ کو انسانیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ ملک، جماعت، اور وطن کی نگاہ سے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت میں کیونکر اسلام کا یہ قانون انسانیت کی اسپرٹ کے ساتھ ہوسکتا ہے کہ جہاں کوئی نادان اور جاہل آدمی بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے فوراً اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کردئے جائیں۔

آپ یقین فرمائیے کہ یہ بات میری اس عقیدت کی جو میں اسلام سے رکھتا ہوں اتنی خلاف تھی کہ پہلے تو مجھے اس پر یقین نہیں ہوا لیکن اس کے بعد میں نے جب خود جمعیت العلما اور انجمن خدام دین اور مولانا محمد علی صاحب کے فتوے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ اسے تسلیم کرلیتا۔

اچھا اگر یہ اسلام کا قانون بھی ہو جب بھی ہندوستان میں اسے رائج کرنے کا مطالبہ کرنا میں نہیں سمجھتا کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر بانیٔ اسلام کے لئے مسلمان ایسا قانون چاہیں گے تو دوسرے مذاہب بھی مطالبہ کرینگے۔ پھر کیا مسلمان اس سے متفق ہونگے کہ جو مسلمان ہندوؤں، پارسیوں، بدھسٹوں، کے بزرگوں کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً قتل کر ڈالنا چاہئے؟

جسقدر واقفیت مجھے اسلام کی کتابوں سے ہے، اسکے مطابق میں نے اس قانون کی تحقیق کرنی چاہی۔ مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ لیکن رسالہ ورتمان کیس میں جن مولوی صاحبان نے شہادت دی ہے، انھوں نے بتلایا ہے کہ کتاب سارم سلول (الصارم المسلول) میں ایسا ہی لکھا ہے۔ میں نے یہاں اپنے مسلمان دوستوں سے اس کتاب کے بارے میں پوچھا تو وہ کچھ نہیں بتلا سکے۔ بہرحال جمعیت العلما کے فتوے اور مولانا محمد علی صاحب کے اعلان سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا حکم ایسا ہی ہے۔

علاوہ بریں اس معاملہ میں یہ طریق عمل بھی اسلام کے اخلاق کا کوئی اچھا اثر ہم لوگوں پر نہیں ڈال سکتا کہ جس شخص نے اسلام کے خلاف کچھ لکھا ہو اُسے بازاری گالیاں دی جائیں۔ اور ملعون، کتا، اور ایسے ہی لفظ کہے جائیں جیسے مولانا محمد علی صاحب جیسے ذمہ دار لیڈر برابر اپنی تقریروں میں کہتے رہے۔ کیا اُس شخص کو گالی دینے سے اُس کی اس بدزبانی اور بے ادبی کا بدلہ لیا جاسکتا ہے جو اُس نے بانیٔ اسلام جیسے عظیم الشان انسان کی شان میں کی ہے؟ اگر نہیں تو اس طرح کی گالیاں دینے سے خود اپنا اخلاق خراب ہوتا ہے۔ اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی کہ محض ایک دو نادان اور بدزبان آدمیوں کے کچھ لکھ دینے پر اس قدر جوش و خروش دکھلایا جائے، گویا مسلمانوں کے لئے کوئی بڑی مصیبت کی بات پیش آگئی ہے حالانکہ خود مسلمان صاحبان تمام غیر مذاہب کے خلاف برابر ہر قسم کی اچھی بری باتیں کہتے آئے ہیں اور ان کی وجہ سے کبھی نہ تو ہندوؤں نے اس طرح شور مچایا ہے نہ عیسائیوں نے۔ یقیناً اس طرح کی باتوں سے جو مینٹلٹی ثابت ہوتی ہے وہ قابل تحسین نہیں ہے۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ہندوؤں میں آریہ سماج کے قائم ہونے سے پہلے نہ تو کسی طرح کا تبلیغ کا خیال تھا، اور نہ وہ مذہبی بحث مباحثہ کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی جانب سے ہمیشہ کتابیں انکے خلاف لکھی جاتی تھیں۔ میں نے لاہور میں پانچ کتابیں ایسی دیکھی جو اس ایجی ٹیشن کی وجہ سے چند صاحبوں نے جمع کی ہیں، اور میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ ان میں ہندوؤں کے رشیوں اور اوتاروں کے خلاف جو بےہودہ باتیں لکھی ہیں وہ اس بیہودگی سے بہت زیادہ ہے جو رنگیلا رسول لکھنے والے نے دکھلائی ہے۔ یہ کتابیں بیس تیس برس سے ہزاروں کی تعداد میں چھپکر فروخت ہوتی ہیں، لیکن کبھی ہندوؤں نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ان کے لکھنے والوں کے سر قلم کردئے جائیں۔ معلوم نہیں جناب والا کی نظر سے یہ کتابیں گزری ہیں یا نہیں اگر ارشاد ہوگا تو میں بھجوا دوں گا۔ ایک کتاب تحفتہ الہند ہے۔ جو مولوی عبداللہ صاحب نے لکھی ہے جو دہلی کے بڑے مولوی ہیں۔ اسمیں ایک نظم ہے جس کا ٹیپ یہ ہے،

کہو یہ کون دھرم ہے؟

اس میں ہندوؤں کے رشیوں اوتاروں کے خلاف اس قدر فحش اور گندہ طریقہ سے اظہار خیال کیا ہے کہ کوئی مہذب آدمی اُسے پڑھ بھی نہیں سکتا۔ میری ناقص عقل اس بات سے عاجز ہے کہ جب خود مسلمانوں کا یہ طرز عمل دوسروں کے ساتھ ہے تو وہ خود اس قدر حد سے زیادہ شور و غل کیسے مچا سکتے ہیں؟

علاوہ بریں یہ بات بھی بڑی عجیب ہے کہ اسلام کے قانون میں اپنے مخالفوں کے لئے معافی کی کوئی جگہ نہیں۔ رنگیلا رسول کے پبلشر نے صاف لفظوں میں اظہار افسوس کردیا تھا، لیکن مسلمانوں کا یہ مطالبہ تھا کہ نہیں اسے قتل کرنا چاہئے!

مجھے میرے دوستوں نے کہا ہے کہ اسوقت ملک کی جو عام حالت ہو رہی ہے اور مسلمانوں کے اندھا دھند جوش و خروش کا جو حال ہو رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ مصلحت کے خلاف ہوگا کہ جناب کوئی بات بھی اپنے ہم مذہبوں کی عام رائے کے خلاف کہیں اسی لئے یہ سب کچھ آپ دیکھتے ہیں لیکن خاموش ہیں۔ اگر میرے دوستوں کا یہ خیال صحیح ہو تو اگرچہ یہ بات میرے لئے بڑے ہی رنج کی ہوگی لیکن میں ایسی گستاخی نہیں کرسکتا کہ اس بارے میں زبان کھولوں۔ کم از کم یہی کیجئے کہ اس بارے میں میرے دل کے شکوک دور کردیجئے کیونکہ ان کی وجہ سے مجھے بہت ہی پریشانی ہو رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں صاف صاف معلوم ہوجائے کہ اسلام کے احکام اور تعلیمات کیا ہیں۔

اگر جناب ترتیب کے ساتھ جواب عنایت کرینگے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نمبروار عرض کردیتا ہوں:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہے کہ جو شخص حضرت بانیٔ اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اسے فوراً قتل کردینا چاہئے اور جس مسلمان کے سامنے ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہے کہ اُسی وقت اُس کا سر اُڑادے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر اسلام کے خلاف بدزبانی کرے تو جب تک اس کے تمام ہم قوم (جنھوں نے شاید اُس بدزبانی کرنے والے کا نام بھی نہ سنا ہوگا) اسکو برا بھلا نہ کہیں۔ تمام قوم کا بائیکاٹ کردینا چاہئے اور اپنی بستی سے نکال دینا چاہئے۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہئے جیسا کہ مولانا محمد علی صاحب نے فرمایا ہے؟

(۴) آپکے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں ایسا قانون بنانا چاہئے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر ڈالا جائے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مان لے اور اس پر افسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے اور اسے جسمانی سزا دلانے پر اڑ جانا چاہئے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان مولوی صاحبان لکھتے آئے ہیں اور اس میں رنگیلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی ہے، کیا وہ بھی اسی طرح سزا کی مستحق نہیں ہیں جیسی رنگیلا رسول اور رسالہ ورتمان ہیں؟

(۷) سو دو سو برس سے جو سیکڑوں عیسائی مشنری اسلام کے خلاف سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اسوقت ہزاروں کی تعداد میں وہ موجود ہیں، کیوں انکے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں دکھلایا گیا جس قدر اس موقعہ پر دکھلایا گیا ہے؟ (دیکھو صفحہ کالم اول)

برید شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

شاہ مصر کا سفر انگلستان - ترکی قرضے کا تصفیہ - ٹرکی اور ایران - ترکی پائے تخت

شاہ مصر کا سفر انگلستان

ترکی اخبارات، شاہ مصر کے سفر انگلستان کو بہت اہمیت دے رہے ہیں اور اسے نہ صرف مصر بلکہ تمام شرقی ممالک کے لئے اخلاقی حیثیت سے مفید سمجھتے ہیں۔ چنانچہ موقر اخبار "وقت" یوں اظہار خیال کرتا ہے:

"شاہ مصر کی یہ سیاحت ایک نہایت پیچیدہ سیاسی مسئلہ کے حل کے لئے آخری قدم ہے۔ اب سے پہلے مصر کے سب سے بڑے ماہرین سیاست مثلاً سعد پاشا زغلول اور عدلی پاشا یکن نے سر توڑ کوششیں کیں، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اب خود شاہ مصر اپنے وزیر اعظم کے ساتھ انگلستان روانہ ہوئے ہیں تاکہ مسئلہ مصر، جو ۴۵ برس سے لاینحل ہو رہا ہے، قطعی طور پر حل ہو جائے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ اس آخری کوشش کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر اب بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا تو سمجھ لینا چاہیے، وہ آئندہ کبھی مفاہمت سے حل نہ ہوگا، اس کا فیصلہ صرف قوت و تشدد ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے"

"۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے صریح جبر و ظلم سے مصر پر قبضہ کر لیا۔ ہندوستان بچانے کے لئے برطانیہ کو مصر کی ضرورت تھی، جیسا کہ اس مقصد کے لئے اسے دنیا کے ہر ملک پر قبضہ کی ضرورت ہے۔ برطانیہ کا عزم مصمم تھا کہ مصر کو بالکل ہضم کر جائے۔ چنانچہ جنگ عمومی کے موقعہ پر اس کے الحاق کا اعلان بھی کر دیا۔ مگر اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ زہر بھرا لقمہ کسی طرح بھی ہضم نہیں کیا جا سکتا۔ مصر اکّال الامم ہے۔ بہت سی قوموں نے اسے ہضم کرنا چاہا، مگر جس نے بھی اسے نگلنے کی جرأت کی، خود فنا ہو گیا۔ چنانچہ چند ہی سال بعد انگلستان بھی یہ لقمہ اگلنے پر مجبور ہوا اور مصر کے الحاق سے دست بردار ہو جانا پڑا"

"شاہ مصر کی سیاحت نے یورپ کے سامنے صرف یہی ثبوت پیش نہیں کیا کہ مصر اپنی آزادی پر مصر ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ پورے مشرق میں استقلال و حریت کی ایک ناقابل مقاومت تحریک عام ہو گئی ہے۔ شاہ مصر نے صاف طور پر بتا دیا کہ اب مشرق، وہ مشرق نہیں ہے جو کبھی غفلت و قناعت اور تن پروری کا مرکز تھا۔ اب وہ بیدار ہو گیا ہے، اور غاصب یورپ سے اپنے حقوق واپس لینے پر تلا ہوا ہے"

ترکی قرضے کا تصفیہ

مرحوم سلطنت عثمانیہ نے یورپ سے بہت سے قرضے لے رکھے تھے۔ انہی قرضوں نے بالآخر اس کے دروازے یورپین مداخلت کے لئے کھول دیئے۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر سلطنت عثمانیہ اپنے اکثر مقبوضات سے محروم ہو گئی۔ اب یہ مشکل پیش آئی کہ یہ قرضے اس سے کیونکر وصول کئے جائیں؟ اکثر قرضوں میں انہی مقبوضات کی آمدنی رہن تھی۔ یورپ چاہتا تھا کہ باوجود اپنے ممالک سے محروم ہو جانے کے، یہ تمام قرضے اسی دیوالیہ سلطنت سے وصول کرے۔ مگر یہ عملاً ناممکن تھا۔ کیونکہ اس کی آمدنی یہ بار گراں اٹھا نہیں سکتی تھی۔ اسی زمانے میں قومی حکومت نے اناطولیہ میں ظہور کیا اور یورپ کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اسی کا نتیجہ معاہدۂ سیورے کے بعد معاہدۂ لوزان ہوا۔ مگر قرضے کی گتھی اس معاہدے سے بھی سلجھ نہ سکی۔ اب گزشتہ ہفتے سالہا سال کی رد و قدح کے بعد ایک فیصلہ ہوا ہے اور سب نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اس فیصلہ کی دو دفعیں بہت اہم ہیں: ایک یہ کہ ٹرکی اپنے قرضہ کی نصف مقدار سونے کے سکے کی شکل میں ادا کرے، اور باقی نصف کاغذ کے سکے کی صورت میں۔ دوسری یہ کہ ٹرکی کا تمام قدیم قرضہ ان تمام ممالک پر تقسیم کر دیا جائے جو قرضہ لیتے وقت اس کے قبضہ میں تھے۔ صرف ایک حصہ ٹرکی کے ذمے باقی رہے۔

یہ فیصلہ یقیناً منصفانہ ہے۔ جنگ کے اختتام پر ٹرکی کے ذمہ یورپ کا قرضہ ۱۷،۶۱،۸۴،۶۹۲ لیرہ (ترکی پونڈ) تھا۔ اب جدید فیصلہ کی رو سے اس کی تقسیم اس طرح عمل میں آئی ہے:

ٹرکی	۸،۴۵،۹۷،۴۹۵	لیرہ
یونان	۱،۱۰،۵۴،۷۵۳	"
شام	۱،۰۸،۸۸،۴۵۹	"
سربیہ	۵۴،۳۵،۵۷۹	"
عراق	۵،۲۰،۷۱،۷۸۹	"
فلسطین	۳۲،۸۴،۴۲۹	"
بلغاریہ	۱۷،۷۶،۲۵۴	"
البانیہ	۱۶،۲۳،۲۲۳	"
حجاز	۱۴،۹۹،۵۱۸	"
یمن	۱۱،۸۲،۰۰۴	"
شرق اردن	۷،۴۳،۶۱۰	"
اٹلی	۲،۴۳،۲۰۰	"
نجد	۱،۲۹،۱۵۰	لیرہ
عسیر	۲۶،۱۳۸	"
موصل	۱۵،۰۰،۳۵۳	"
معان	۱،۲۸،۷۲۸	"

اوپر ہم نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ سب نے تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اس میں صرف دو حکومتیں مستثنیٰ ہیں؛ سرویا اور یمن۔ سرویا کی حکومت نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ امام یحییٰ بھی اس سے انکار کر رہے ہیں۔ لیکن ان دونوں کے انکار سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔

ٹرکی اور ایران

حال کا ایک اہم واقعہ، ٹرکی اور ایران کی کشیدگی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض حوادث ایسے پیش آگئے، جنھوں نے طرفین میں سوء ظن کی حالت پیدا کر دی۔

تفصیل یہ ہے کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض جرائم پیشہ خانہ بدوش قبائل موجود ہیں۔ وہ ہمیشہ قتل و غارت کے موقعے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے ان قبائل میں ایک بہت ہی خطرناک شخص "اسماعیل سمیقوہ" نامی ظاہر ہوا ہے اور سرحد کی آبادیوں کی زندگی تلخ کئے ہوئے ہے۔ اس نے یہ وطیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ موقعہ پا کر لوٹ مار مچا دیتا ہے اور پہاڑوں میں بھاگ جاتا ہے۔ ترکی حکومت بہت دن سے اس کی تاک میں تھی۔ مگر حال میں مجرموں کی عام معافی کا اعلان کیا گیا، تو اس سے فائدہ اٹھا کر اس نے حکومت کو اطلاع دی کہ اب اس نے اپنے قدیم جرائم سے توبہ کر لی ہے اور آئندہ پُر امن زندگی بسر کرنی چاہتا ہے۔ حکومت نے اس کی بات پر یقین کیا اور معافی دیدی۔ چنانچہ وہ آزادی سے ترکی حدود میں زندگی بسر کرنے لگا۔

لیکن گزشتہ مہینوں میں اس نے پھر پلٹا کھایا، اور اپنی قدیم مجرمانہ زندگی اختیار کر لی۔ وہ ایرانی سرزمین میں داخل ہو گیا اور قریبی آبادیوں میں غارت گری شروع کر دی۔

اصلی واقعہ صرف اسی قدر ہے۔ لیکن ایرانی اخبارات نے اسے دوسری نظر سے دیکھا اور اس قزاق کی حرکتوں کا ذمہ دار، ٹرکی کو قرار دیا۔ چنانچہ طہران کا نیم سرکاری اخبار "ایران" اس واقعہ پر اس طرح خامہ فرسائی کرتا ہے:

"سرحدی قبائل کی کون ہمت افزائی کر رہا ہے؟ انھیں کون ہتیار تقسیم کرتا ہے؟ انکے ذریعہ ایران میں کون بدامنی پھیلا رہا ہے؟ ایرانی ان سوالوں کا صاف جواب چاہتے ہیں۔ وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ٹرکی اس بارے میں کیا تدابیر اختیار کرنے والی ہے؟ ایران اپنی قومی سرحدوں کی حفاظت اپنے خون سے بھی کرنے پر کمر بستہ ہے"

اخبار "شفق سرخ" لکھتا ہے

"سرحد کے ترک افسر، ایرانی علاقوں میں خلاف توقع سرگرمی دکھا رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، سرخ ٹوپی کی ہیٹ سے تبدیلی، یہ باتیں ظاہر میں کتنی ہی روشن خیالی کی باتیں نظر آئیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ قوموں کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتیں۔ نوجوان ٹرکی، بڑھیا ٹرکی ہی کی لڑکی ہے۔ بڑھیا ٹرکی ہمیشہ ایران سے بے فائدہ دست بگریباں رہی۔ اب نوجوان ٹرکی بھی اپنی اسی موروثی سیاست پر واپس آ رہی ہے اور ایران سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہے"

اسی لب و لہجہ میں تقریباً تمام ایرانی اخبارات نے اظہار خیال کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ترکی اخبارات کا لہجہ بھی کچھ کم سخت نہیں ہے۔ چنانچہ اخبار "جمہوریت" لکھتا ہے:

"ہم جانتے ہیں ایران میں وقیع اخبار موجود نہیں ہیں۔ ان کی آواز کوئی قوت و وزن نہیں رکھتی۔ ضرور اجنبی انگلیاں ان اخبارات

بقیہ مضمون صفحہ ۱۷

کیا میں امید کروں کہ آپ تھوڑا سا وقت نکال کر اسی انداز میں جیسا تفصیل و بحث کے ساتھ ہمیشہ آپ نے لکھا ہے ان امور پر روشنی ڈالیں گے اور مجھ پر احسان فرمائیں گے ....

کو ٹرکی کے خلاف اُکسا رہے ہیں۔ یہ اخبار، اجنبیوں کے پروردہ ہیں اور اُنہی کے اشاروں پر ناچتے ہیں"

یہ اخبارات کی باہمی تکرار ہے۔ لیکن اب تک دونوں حکومتیں بالکل خاموش ہیں۔ بلکہ دوستانہ تعلقات کی موجودگی کا یقین دلا رہی ہیں۔ چنانچہ ایرانی سفارت کے معتمد عام زندی خاں نے اخبارات کو حسب ذیل بیان دیا ہے:

"اخبار آزاد ہیں، جو چاہیں لکھیں۔ ایرانی اخبارات کی طرح ترکی اخبار بھی سخت لہجہ اختیار کر لیتے ہیں، اور اُن کا لب لہجہ ایران کی مخالفت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس قسم کی باتیں ہرگز دو مشرقی اور اسلامی ملکوں کے تعلقات پر اثر نہیں ڈال سکتیں جن کی دوستی مشترک فوائد پر استوار ہے"

تقریباً یہی خیال خود ایرانی سفیر نے بھی ظاہر کیا ہے۔ اُسنے کہا
"دونوں ملکوں کی دوستی پائدار اور دوامی ہے۔ دونوں حکومتیں پورے حزم و اخلاص سے تمام مسائل حل کرنے پر کربستہ ہیں۔ کوئی حادثہ بھی ہمارے تعلقات خراب نہیں کر سکتا"

اُمید کی جاتی ہے، جلد یہ معمولی نزاع ختم ہو جائے گی۔

ترکی پایۂ تخت

غازی مصطفےٰ پاشا کے سفر آستانہ سے بعض حلقوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ترکی پایۂ تخت، جلد انگورہ سے قسطنطنیہ میں منتقل ہو جائے گا۔ مگر انگورہ کا نیم سرکاری اخبار "حاکیت ملت" اس کی تردید کرتا ہے۔ اُسنے لکھا ہے:

"جب ہم نے ارادہ کیا کہ ٹرکی کی از سر نو تعمیر کریں تو اس میں یہ خیال ہرگز ہمارے سامنے نہ تھا کہ ساتھ ہی غیروں کی خوشی کا بھی ہمیں سامان کرنا چاہیئے۔ ہم نے ضرورتاً انگورہ کو پایۂ تخت بنایا تھا۔ وہ ضرورت اب تک موجود ہے۔ جب تک ہم امن و امان کے سایہ میں چلکر اپنا مقصد حاصل نہ کر لیں، اُسوقت تک انگورہ ہی کو پائے تخت رہنا چاہیئے لہذا اس کی تبدیلی کا سوال، اسوقت پیدا ہی نہیں ہو سکتا"

مکتوب شام

(الہلال کے نامہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

ہائی کمشنر کا بیان

ادہر دو تین ہفتے سے میں نے کوئی مکتوب آپکو نہیں لکھا۔ کیونکہ حالات میں کوئی قابل ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ہائی کمشنر کے لبوں پر جو مہر سکوت شروع سے لگ گئی تھی، وہ اب تک باقی تھی۔ ہر طرف افواہوں کی گرم بازاری تھی، مگر حقیقت کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حکومت جتنا زیادہ ابہام و اخفا برتتی تھی، افواہیں اُتنی ہی زیادہ پھیلتی تھیں۔ اکثر لوگوں کا رجحان یہ تھا کہ حکومت کچھ نہ کچھ کرنے والی ہے۔ اگر سب نہیں تو ملک کے مطالبات کا ایک بڑا حصہ ضرور قبول کرے گی۔ خصوصاً اب جبکہ دروزی مجاہدین نے ہتیار ڈال دیئے ہیں، حکومت بھی نرم ہو جائے گی اور باشندوں کی ضرور اشک شوئی کر دے گی۔

لیکن اِن فریب خوردوں کو اگرچہ بہت زیادہ انتظار کرنا پڑا، تاہم وہ دن آہی گیا جب انھیں حقیقت عریاں کے مشاہدہ پر مجبور ہونا پڑا۔ مدت تک نقاب پوش رہنے کے بعد ہائی کمشنر نے اپنا منہ کھولا تو اُس میں مکر و ریا کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ دروزی جہاد ختم ہو جانے سے حکومت کی ہمت بلند ہوگئی۔ اب اُسے کوئی خوف بھی باقی نہ رہا۔ چنانچہ ہائی کمشنر نے اپنی پالیسی اور حکمبردار سلطنت فرانس کی سیاست جو وہ شام کے بارے میں طے کر چکی ہے، ظاہر کر دی۔ ہائی کمشنر کا بیان یقیناً تمام مشرق کے لئے عبرت و موعظت کا ایک سبق ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہے:

"ہائی کمشنر کو اپنے قیام پیرس کے دوران میں بارہا موقعہ ملا کہ فرانسیسی حکومت اور فرانسیسی پارلیمنٹ کی معاملات خارجیہ کی کمیٹی کے روبرو شامی صورت حال کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کر دیں خصوصاً باشندوں کی وہ اُمیدیں صفائی کے ساتھ ظاہر کر دیں جو شام کے مختلف حصوں میں دورہ کرنے کے بعد اُنھیں معلوم ہوئی تھیں۔

ہائی کمشنر نے شام میں اپنی واپسی کے بعد مختلف حکومتوں کے ذمہ داروں سے بھی بار بار تبادلۂ خیال کیا۔ حکمبردار حکومت کے خیالات و مقاصد اُن پر ظاہر کئے اور وہ بنیادیں پوری وضاحت سے پیش کر دیں جن پر وہ اپنی سیاست کی بنا رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ بنیادیں حسب ذیل ہیں:

(۱) معاہدۂ حکمبرداری کی دفعہ ایک کی رو سے چونکہ فرانس نے اپنے سر یہ ذمہ داری لے لی ہے کہ "شام اور لبنان کے لئے وہ راستہ ہموار کرے گا جس پر چل کر وہ بتدریج خود مختار بن سکیں گے" اور یہ کہ اندرونی خود مختاری کی ظروف و حالات کے مطابق ہمت افزائی کرے گا۔ اس لئے فرانس مجلس اقوام سے حاصل کی ہوئی اپنی یہ ذمہ داری برابر پوری کرتا رہے گا۔ یہاں پر اس ذمہ داری سے دست بردار ہو جانے کا ہرگز کوئی سوال پیش نہیں ہو سکتا۔

(۲) اس ذمہ داری کی حیثیت:

معاہدۂ ورسیلز کی دفعہ ۲۲ کی تطبیق، مشرق میں بہت ہی زیادہ مشکل معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں کی بعض جماعتیں مدت دراز سے ترقی کے اُس درجہ تک پہنچ گئی ہیں جسنے اُنھیں مشرق قریب کی ترقی پذیر قوموں کی صف اول میں پہونچا دیا ہے۔ حکمبردار سلطنت نے امن و امان برقرار رکھتے ہوئے، جو ترقی کی اصلی بنیاد ہے، ان جماعتوں کی اُمیدیں پوری کرنے میں کبھی غفلت نہیں برتی۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان اُمیدوں کی تطبیق میں اب تک بکثرت رکاوٹیں حائل ہوتی رہی ہیں اور یہ صرف اسوجہ سے کہ اُن میں باہم بہت زیادہ تناقض موجود ہے۔

ان جماعتوں کی اُمیدیں بر لانا، شام میں فرانسیسی سیاست کی ایک بڑی بنیاد ہے۔ حکمبردار سلطنت اب تک اپنی اس سیاست پر قائم ہے اور عزم بالجزم کئے ہوئے ہے کہ ہمیشہ یہ اُمیدیں پوری کرتی رہے گی جب تک وہ دائرۂ نظام اور امن و امان میں رہیں اور جب تک اقلیات کے حقوق، جن کی معاہدوں نے ضمانت کر دی ہے، اور ملک کے عام مصالح کے خلاف نہ ہوں۔

(۳) فرانسیسی سیاست کا دوام اور قانون اساسی۔

یہ سیاست، جسے مسیو دی جوونل پوری وضاحت سے معین کر چکے ہیں اور جسے حکومت فرانس اور مجلس اقوام نے منظور کر لیا ہے، ضرور ہے کہ ملک کے قانون اساسی میں قائم رکھی جائے۔ ہائی کمشنر پوری مضبوطی سے اس سیاست کو برقرار رکھیں گے۔

لیکن یاد رہے کہ قانون اساسی، صرف وہی لوگ بنائیں گے جو اُسے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ وہی حکومتیں اسکے بنانے میں شریک ہوں گی جو موجودہ نظام کے ماتحت ملک میں قائم ہیں۔ انہی حکومتوں کو حق ہے کہ ملک کے مصالح پر غور کریں، اپنے باہمی اختلافات مٹانے کی سعی کریں، اور مشترک مصالح کے لئے باہم معاہدے طے کریں۔ حکمبردار سلطنت، انہیں ہر ممکن مدد دے گی اور ایک امین حکم کی حیثیت سے کام کرے گی۔

اگر جدید نظام پر دوسرے ملک کی رضامندی ضروری سمجھی گئی تو اس مقصد کے لئے بھی کوشش کی جائے گی۔ لیکن اگر رضامندی کا حاصل کرنا ممکن نہ ہوا تو حکمبردار سلطنت، امن و امان کی حفاظت اور مستقبل کی درستگی کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے گی۔

(۴) امن و امان

اب ملک میں ایک مرتبہ پھر امن و امان پوری طرح عام ہو گیا ہے۔ حکمبردار سلطنت نے اس راہ میں عظیم کوششیں اور بہت بڑی قربانیاں کی ہیں۔ اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ فرانس اُس دوستی کے برقرار رکھنے کا غیر متزلزل ارادہ رکھتا ہے جو اُسے ملک شام و لبنان سے ہے۔

ملک کی ترقی کے لئے امن امان کی موجودگی ضروری ہے۔ بدامنی سے ہرگز کوئی فائدہ پہنچ نہیں سکتا۔ بلکہ اُلٹے نقصان یقینی ہے۔۔"

یہ ہائی کمشنر کے بیان کا ضروری حصہ ہے۔ ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ بیان کس درجہ مضطرب اور بے معنی ہے؟ اُس کے اگر کچھ معنی ہیں تو صرف یہ ہیں کہ فرانس، شام کے مطالبات منظور نہیں کرے گا بلکہ اپنی جنگی قوت سے اُسے بدستور محکوم و مقہور رکھے گا۔

فرانس کی بدنیتی

شام میں فرانس کی بدنیتی کا ایک ثبوت، مذکورۂ بالا بیان کے علاوہ، یہ ہے کہ اُسنے شکست خوردہ دروزی مجاہدین کی بیچارگی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ چنانچہ گزشتہ ہفتے حکومت نے اعلان کیا ہے کہ جبل دروز کے باشندوں نے ملک شام سے اپنی کامل علحدگی کا مطالبہ کیا ہے۔ نیز وہ چاہتے ہیں کہ اُنکے علاقے پر حاکم، فرانسیسی ہوا کرے۔

ملک کی عام رائے اس منحوس خبر سے بہت پریشان ہوئی، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شام کی سیاسی وحدت اب تک جس قدر پراگندہ ہو چکی ہے، فرانس کی نظر میں وہ کافی نہیں ہے۔ فرانس ابھی اس بدنصیب ملک کے اور بھی بہت سے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے۔ جبل دروز کی علحدگی کے بعد شام، صرف دمشق اور مضافات کے علاقے کا نام رہ جائے گا۔

سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ جن دروز سرداروں کی طرف یہ مطالبہ منسوب کیا جا رہا ہے، وہ ملک میں نہایت ہر دل عزیز تھے۔ مثلاً عبد الغفار پاشا اطرش، امیر حسن، نجم پاشا حلبی، شیخ محمد الہجری، حمزہ درویش، وغیرہم۔ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اب سے پہلے ملک کی سیاسی تقسیم و تجزی کے سخت مخالف تھے۔ بلکہ اُنکے خونیں جہاد کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ موجودہ تقسیم منسوخ کر دی جائے، اور ملک میں ایک ہی وحدت سیاسی قائم ہو۔

لیکن بہت جلد حقیقت آشکارا ہوگئی۔ عام رائے نے معلوم کر لیا کہ یہ چیز بھی فرانس کی بدنیتی نے پیدا کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پچھلے ہفتے ہائی کمشنر، دمشق آئے۔ اُن کے ساتھ اُن کا نفس ناطقہ کرنل کیٹرو بھی تھا۔ یہ شخص اپنی ظلم پسندی اور ملک شام سے دشمنی میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ دمشق سے یہ جبل دروز گیا اور وہاں دروزی سرداروں سے مذکورۂ بالا محضر پر دستخط کرنے کو کہا۔ اُنھوں نے انکار کیا مگر اِسنے اُنھیں اپنی قوت کی زور سے مجبور کر دیا۔

اس واقعہ نے باشندوں کو فرانس سے اور بھی زیادہ بدظن کر دیا ہے۔

ایک اور مصیبت

یہ مصائب کیا کم تھیں کہ ملک پر ایک تازہ مصیبت، خود ایک ملکی کے ہاتھوں نازل ہو رہی ہے۔ داماد احمد نامی بک، دمشق کی عارضی حکومت کا صدر ہے۔ اسکے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ شام کے تخت شاہی پر عنقریب متمکن ہو گا۔ اس طمع میں یہ بالکل فرانس کا غلام بن گیا ہے اور بُری طرح خادمان قوم کو ستا رہا ہے۔ حال کا تو یہ ہے کہ اسنے اخبار الجوائب کے ایڈیٹر شدیا آتی آفندی کو دمشق سے نکل

برید فرنگ

مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم واشنگٹن کے قلم سے)

ایک نئی تحریک۔ امریکہ کی دولت۔

ایک نئی تحریک

اپنے دو پچھلے مکتوبوں میں آمریکہ کی نسوانی زندگی اور تحریک الحاد کی مقبولیت پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ انہی دونوں موضوعوں سے متعلق آج ایک تیسری بحث پیش کرتا ہوں۔ اس بحث نے پورے شمالی آمریکہ کو اپنی طرف سراسر متوجہ کر لیا ہو۔ فی الحال اس بحث سے زیادہ اہم اور مقبول عام و خاص کوئی دوسری بحث یہاں نہیں ہو۔ ہر طرف اسی کا چرچا ہو اور ہر جگہ اُسی پر گرم تقریریں ہو رہی ہیں۔

بحث یہ ہو کہ آمریکہ میں شادی کا موجودہ طریقہ مضر ہو۔ مرد اور عورت دونوں کی خانگی زندگی مکدر کرنے والا ہو۔ لہذا اُسے بدل ڈالنا چاہیئے۔

آمریکہ میں بھی شادی کا طریقہ وہی ہو جو دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں رائج ہو۔ یعنی مرد و عورت، عقد کر کے زندگی بھر ساتھ رہنے کے پابند ہو جاتے ہیں۔ نئی تحریک اسی پابندی کے خلاف شروع ہوئی ہے۔ اُس کی منشا یہ ہو کہ شادی کے دو دَور یا درجے کر دئیے جائیں: ایک تجربی۔ دوسرا دائمی۔ تجربی سے مقصود یہ ہو کہ مرد اور عورت اگرچہ باضابطہ عقد کریں گے، مگر یہ عقد، معلق و مشروط ہوگا۔ اگر ساتھ رہ کر اُنھیں تجربہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ عقد، اُن کی زندگی کو پُرمسرت نہیں بنا سکتا تو اُنھیں حق ہوگا کہ فوراً جُدا ہو جائیں۔ لیکن اگر تجربے سے ثابت ہو کہ وہ ساتھ خوش رہ سکتے ہیں تو اپنے دائمی عقد کا اعلان کر دیں۔

اس تحریک کا سرگروہ، مسٹر لنڈسی ہو۔ یہ ایک عدالت کا جج ہو اور نکاح و طلاق کے مقدمے فیصل کیا کرتا ہو۔ اسنے اپنی تحریک کا نام "عقد رفاقت" رکھا ہو۔ خود اُس کے اپنے لفظوں میں تحریک کی غرض یہ ہو کہ "مرد اور عورت باہم ساتھ رہنے کا سمجھوتہ کریں، مگر اس عہد کے ساتھ کہ ایک سال تک نسل نہ پیدا ہونے دیں گے۔ بارہ مہینے یکجا رہنے کے بعد اگر وہ دیکھیں کہ اُن کی طبیعتیں باہم متفق ہو سکتی ہیں تو اپنے اس تجربی عقد کو دائمی عقد کی صُورت میں تبدیل کر دیں ورنہ ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں"

مسٹر لنڈسی نے ایک اخبار کے نمائندے سے بیان کیا:

"بیس برس سے میں عدالت کی کرسی پر بیٹھتا ہوں۔ اس طویل تجربے نے مجھے یقین دلا دیا ہو کہ نکاح کا موجودہ نظام، ناقص اور سخت مضرتوں کا موجب ہو۔ لہذا میں نے تجربی نکاح کی تجویز سوچی۔ میرے خیال میں اگر دنیا اس تجویز پر عمل کرے تو اُن تمام مصائب سے نجات پا جائے گی جو عقد کے موجودہ طریقے سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہیں۔ تجربی نکاح یقیناً دنیا کو مسرت و سعادت بخشنے کا اور انسان کی خانگی زندگی، قابل رشک بنا دے گا"

تجربی عقد کی ایک شرط یہ بھی ہو کہ مرد اور عورت سال کے خاتمہ پر اگر دائمی عقد کے طالب ہوں تو اُنھیں حکومت کے سامنے ثابت کرنا ہوگا کہ وہ باہم محبت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد اُن کا طبی معائنہ ہوگا اگر اس معائنہ میں بھی وہ کامیاب ہو گئے تو اُن کی درخواست منظور کر لی جائے گی، ورنہ اُنھیں جبراً جُدا کر دیا جائے گا۔

یہ ہو تحریک کا خلاصہ۔ لیکن اسنے تمام ملک میں ایک ہلچل ڈال دی ہو۔ روشن خیال طبقہ عام طور پر تحریک کی حمایت کر رہا ہو۔ مگر مذہبی پیشوا اور اُنکے متبعین اس کے سخت خلاف ہیں۔ اسے کفر و الحاد قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر یہ تحریک مقبول ہو جائے گی تو مسیحیت اور کنیسا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مسیحی ہیئت اجتماعیہ درہم برہم ہو جائے گی۔ فسق و فجور کے بند (؟) دروازے کھل جائیں گے۔ غرضکہ وہ اسے شیطانی تحریک قرار دے رہے ہیں۔ دیکھنا چاہیئے اس نظری جنگ میں کون فریق فتح یاب ہوتا ہو؟

آمریکہ کی دولت

ولایات متحدہ آمریکہ کی دولت و ثروت کے افسانے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ واقعی جس قدر خزانے اس ملک میں موجود ہیں، اُتنے کسی دوسرے ملک میں نہیں ہیں۔ اسوقت میرے سامنے ایک امریکن رسالہ کھلا رکھا ہو۔ اسنے اسی معاملہ پر بحث کی ہو۔

وہ لکھتا ہو:

"جس کے پاس تین چار کروڑ ڈالر جمع ہیں، وہ اسوقت آمریکہ میں" دولتمند" خیال نہیں کیا جاتا۔ کروڑپتی، اب آمریکہ میں کسی شمار قطار میں نہیں ہیں۔ اب شمار صرف "ارب پتی" یا "ارب والوں" کا ہوتا ہو۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ حکومت نے امریکی قوم کی انفرادی دَولت کے اعداد و شمار شایع کئے۔ اس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہو کہ آمریکہ میں ایک سے بہت زیادہ آدمی ایسے موجود ہیں جن کی دَولت ایک ہزار ملین ڈالر یعنی ۲۰ کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ ہو۔

اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہو کہ سنہ ۱۹۲۵ء میں جن آدمیوں کی دَولت ایک ملین ڈالر سے زیادہ تھی، اُن کی تعداد ۲۰۷ ہو۔ لیکن گمان غالب ہے کہ یہ شمار ناقص ہو۔ لوگ، آمدنی کے محصول سے بچنے کے لئے اپنی اصلی آمدنی چھپاتے ہیں۔ ثبوت یہ ہو کہ سنہ ۱۹۱۶ء ہی میں ایسے دولتمندوں کی تعداد ۲۰۶ تھی۔ کسی طرح خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ۹ سال کی طویل مدت میں، جبکہ دَولت کے دروازے ہر طرف سے آمریکہ پر کھل گئے تھے، ایسے دولتمندوں کی تعداد میں صرف ایک کا اضافہ ہوا ہو۔

ذیل کے نقشہ سے آمریکہ کی دولت مندی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا:

ڈیڑھ ملین تک سالانہ آمدنی کے مالک	۱۰۴
دو ملین تک سالانہ آمدنی کے مالک	۴۳
تین ملین تک " "	۲۹
۴ ملین تک " " "	۱۵
۵ ملین تک " " "	۹
۵ ملین سے زیادہ " " " "	۷
	۲۰۷

لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ نقشہ، ناقص ہو۔ تاہم ۵ ملین ڈالر سے زیادہ آمدنی کے مالکوں میں بعض ایسے بھی ہیں جن کی آمدنی ایک کروڑ پونڈ سالانہ سے بھی زیادہ ہو۔ سرکاری روداد میں اِن کے نام شائع ہوئے ہیں۔ انہی میں مسٹر فورڈ اور اُن کا بیٹا، مسٹر ملن امریکی وزیر مال، اُن کا بھائی، مسٹر ہوٹنی، مسٹر وینڈربلٹ، مسٹر بیکر وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہو کہ امریکہ میں، دوسرے ملکوں کے برخلاف یہ صورت حال نہیں ہو کہ امیروں کی دَولت برابر بڑھتی جائے اور غریبوں کی غربت روز بروز زیادہ ہوتی جائے۔ بلکہ واقعہ یہ ہو کہ امیروں کی دَولت بہت آہستہ آہستہ بڑھتی ہو، لیکن غریب جلد از جلد امیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مذکورۂ بالا روداد سے معلوم ہوتا ہو کہ معمولی آمدنی رکھنے والے (یعنی جو لوگ آمدنی کا محصول ادا کرتے ہیں) سالانہ ۵ ہزار ڈالر سے زیادہ کما لیتے ہیں۔

روداد کے ایک دوسرے نقشہ سے معلوم ہوتا ہو کہ سنہ ۱۹۲۵ء میں حکومت نے حسب ذیل محصول وصول کئے:

اُجرت اور تنخواہ پانے والوں سے:	۴،۴۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ڈالر
تجارتی کمپنیوں سے:	۹۷۰،۰۰۰،۰۰۰ "
حقوق طباعت خریدنے والی کمپنیوں سے:	۱،۸۷۵،۰۰۰،۰۰۰ "
سود خوار مہاجنوں سے:	۴۸۷،۵۰۰،۰۰۰ "

آمریکہ کی دولتمندی کے راگ گانے والوں کے بالمقابل علمائے اقتصادیات کا ایک گروہ ایسا بھی موجود ہو جو اس دولت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اُس کی رائے میں آمریکہ کی دولت کسی پائیدار بُنیاد پر قائم نہیں ہو۔ وہ اپنی دلیل میں پچھلے دس گیارہ سال کے اعداد و شمار سے پیش کرتا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ آمریکہ میں دولتمندوں کی تعداد نہایت غیر متناسب تعداد میں گھٹتی بڑھتی رہی ہو۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہو کہ ملک کی دَولت کوئی مستحکم بنیاد نہیں رکھتی۔ وہ اعداد و شمار حسب ذیل ہیں:

سنہ	ایک ملین ڈالر سے زیادہ سالانہ آمدنی رکھنے والے
۱۹۱۴	۶۰
۱۹۱۶	۲۰۶
۱۹۲۰	۲۱
۱۹۲۴	۷۵
۱۹۲۵	۲۰۷

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

بایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!

براعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر بھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم ہی سے خط و کتابت کیجئے بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

یاد رکھئے

موسم گرما کا نایاب تحفہ

صرف ہمدرد دواخانہ سے ملیگا

شربت روح افزا ۲۹۳ (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۱۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم با مسمّی ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر دلعزیزی و شہرت مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہے اور جس کو چشم بد (حریص) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کرالیا گیا ہے۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں اُن سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپکی مسلسل و پیہم مشتاقانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدردانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان جیسے وسیع بر اعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا اُن سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کیجاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فواکہات مثل انگور، سیب، رنگترہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب، درد سر و دوران سر، تشنگی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہراً طور پر رنگ دلفریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اسکی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ بوتل دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہے اور جس کی ہر چیز دیسی ہی ہے۔ خوش ہونگے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اسلئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) حکیموں اور عطاروں کے علاوہ، تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں دو آنہ فی روپیہ کمیشن دیا جائیگا۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اُٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شربت خریدتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیبل اور اس پر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی سے ملسکتا ہے۔ " فہرست دواخانہ مع جنتری ۱۹۲۷ء کارڈ آنے پر مفت ارسال ہوگی۔"

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی — تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما گائڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپکو مطلع کر دے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ بریٹن

The Dunlop Guide to Great Britain

کا

دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

اگر آپکو

دمہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

اگر آپ

علم وکتب کی وسعت اور وسعتِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو

دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملکِ معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم وادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجے کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے اڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مُفصّل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

کلمات مرحوم سعد پاشا زغلول

جلاوطنی میں قوم سے خطاب

اُنھوں نے ہمیں ملک سے نکالا، مگر تم نے ہمیں اپنے دلوں میں جگہ دی!

اُنھوں نے ہمیں گمنام کر دینا چاہا، مگر تم نے ہمارا نام اپنے صفحۂ قلب پر نقش کر لیا!

اُنھوں نے اپنی قوت سے تمھیں پراگندہ کر دینا چاہا، مگر تم اور بھی زیادہ باہم جڑ گئے!

اُنھوں نے تشدد سے تمھیں ذلیل کرنا چاہا، مگر تم اور زیادہ معزز بن گئے!

اُنھوں نے طرح طرح کے حیلوں سے تمھیں گمراہ کرنا چاہا، مگر تم گمراہ نہ ہوئے۔ اُن کے فریب نے تمھیں اور زیادہ راہ ہدایت دکھا دی!

اس طرح خدا نے اُنھیں رسوا کیا، اور تمھیں سرخروئی بخشی!

امن عالم

امن عالم اگر چاہتے ہو، تو دوسروں کا حق نہ چھینو۔

آزادی

آزادی، میرا پیدائشی حق ہے، عطیہ کے طور پر میں اُسے قبول نہیں کر سکتا۔ آزادی، میری اپنی پشتینی ملکیت ہے۔ کسی کو حق نہیں کہ میری ہی ملکیت مجھے عطیہ کے طور پر دے۔

عورتوں کی تربیت

قومی ترقی کے لئے عورتوں کی تربیت، اوّلین شرط ہے۔

حق

حق کی طرف لَوٹنا کبھی معیوب نہیں۔

حق، قوت، قوم، حکومت

حق، قوت سے بالا ہے۔ قوم، حکومت سے برتر ہے۔

فساد

ہم پر حملہ کرتے ہیں، مگر جب ہم مدافعت کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہیں تو کہتے ہیں "تم فساد کرتے ہو"!

علم، اخلاق

ہمیں زیادہ علم کی ضرورت نہیں، زیادہ اخلاق کی ضرورت ہے۔

بد اخلاقی کا قانون

جس قانون کی بنا، بد اخلاقی پر ہے، وہ باطل قانون ہے۔

آزادی کا استعمال

ہم آزادی سے محبت رکھتے ہیں، مگر اس سے بھی زیادہ ہم اُس کے صحیح استعمال سے محبت کرتے ہیں۔

"ڈپلوما"

ہمیں اپنی زندگی کے اعمال پر فخر کرنا چاہئے، نہ کہ اپنے ہاتھ کے "ڈپلوما" پر!

مقصد کی کامیابی

مقصد کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ہم جد و جہد کریں، اور اگر ضرورت ہو تو مر بھی سکیں!

خوف یا محبت؟

میں چاہتا ہوں، لوگ مجھ سے محبت کریں، نہ کہ مجھ سے ڈریں۔

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولٰنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوعِ انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دیئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔

قیمت بارہ آنے۔ منیجر الہلال کلکتہ

آپ تمام دنیا دو قدم آگے رہنا چاہیں تو

انتخاب لاجواب لاہور

کا مطالعہ کریں اس کے مستقل خریداروں کو چھ سو صفحوں کی انعامی کتابیں مفت دی جاتی ہیں انعامی کتابوں کی فہرست اور نمونہ کا رسالہ دو آنہ کے ٹکٹ بھیجکر طلب کریں

منیجر انتخاب لاجواب لاہور

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت دُنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر" کا "لائف ٹائم" لینا چاہئے!

مطبوعات الہلال بک ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواہر ریزي

اس سلسله میں هم نے اماموں کي ان نادر و اعلیٰ درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا ھے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروري و ناگزیر ھے - امید که یه "سلسلۂ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑھائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوہ امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي ھے - بلا جلد اڑھائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروۃ الوثقیٰ — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا ھے - چھه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نہایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازہ کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

اَئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله ھے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اهتمام کیا ھے - اسکے علاوہ اَئمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' طائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الہلال بک ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازہ لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینه را
تازہ خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الہلال هي وہ رساله ھے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الہلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیت کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونه تهیں - اردو کا وہ پہلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بہت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نہیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا ھے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نہیں) ساڑھے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي ھے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وہ بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو اُنهیں دوبارہ چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي ھے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پہلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد ھے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تہجي لگادي گئي ھے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه   الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " چہارم ۱۰ روپیه   " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الہلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب ھے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوہ ھے -

منیجر "البلاغ پریس"

دنیا کے ہر علم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے -

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں -

"اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں -

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز اف لنڈن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کاروبار شروع کردیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں - اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں - ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کرنسیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے -

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کرلیں، تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط وکتابت کریں - ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کررہے ہیں - خط وکتابت کے بعد ہی آپکو معلوم ہوجائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں -

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو موار اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں - تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط وکتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں -

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.